

صورت میں لکھا کر دیئے جائیں اور اسکو چھاپکر دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے،

تذکرہ

فن تفسیر کو علوم اسلامیہ میں جو اہمیت حاصل ہے، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس فن میں جس قدر کتابیں لکھی گئیں، کسی فن میں نہیں لکھی گئیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج یہی فن تمام فنون سے زیادہ نادار ہے، کیونکہ قدامت کی تصنیفات جو در حقیقت اس فن کی روح و روانہ تھیں سرے سے ناپید ہیں، یہاں تک کہ چوتھی صدی کی ایک تفسیر بھی موجود نہیں ہے، اور زمانہ مابعد کا سرمایہ جو بظاہر ایک دفتر بے پایان نظر آتا ہے، بقول مولانا شبلی مرحوم ایک ہی نغمہ ہے جو مختلف سازوں سے ادا ہوتا ہے، اس بنا پر سخت ضرورت تھی کہ اس فن کے متعلق قدامت کی تصنیفات ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیدا کی جائیں اور انکی طبع و اشاعت کا سامان ہم پہنچایا جائے،

مفسرین کی جماعت میں ابو مسلم صفہانی چوتھی صدی کا مشہور ادیب اور مفسر گذرا ہے جس نے عقلی اصول کے موافق چودہ جلدوں میں ایک تفسیر لکھی تھی، اور اسلام میں عقلی مذاق پر جو تفسیریں لکھی گئی ہیں، ان میں سب سے بڑی اور سب سے پہلی اسی کی تفسیر تھی، اس لئے امام رازی کے زمانہ سے پہلے وہی تفسیر کبیر کے نام سے پکاری جاتی تھی، یہ تفسیر آج اگرچہ بالکل ناپید ہے، لیکن امام رازی کے زمانہ تک موجود تھی، اور امام موصوف نے اس سے اپنی تفسیر میں اکثر فائدہ اٹھایا ہے، اور اسکے حوالہ سے ابو مسلم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جو انکی تفسیر میں متفرق طور پر ملتے ہیں، ہماری دلی خواہش یہ تھی کہ یہ تمام اقوال ایک رسالہ کی

خوشی کی بات ہے کہ رفقا نے المصنفین میں مولوی محمد سعید صاحب انصاری نے اس اہم کام کو اپنے ذمہ لیا، اور امام رازی کی تفسیر کو جو تقریباً دس ہزار صفحات کی کتاب ہے چار مرتبہ حرفاً حرفاً پڑھکر ابو مسلم کے تمام اقوال جمع کئے، اور ان کو ایک سالے کی صورت میں مرتب کیا، جس سے اس قدیم تفسیر کا نہایت ضروری حصہ ہمارے سامنے آ گیا ہے، یہ کام اگرچہ ۱۹۱۲ء میں مکمل ہو چکا تھا تاہم اسکی طباعت کا اب سامان ہوا ہے، چنانچہ کئی مہینہ سے یہ کتاب البلاغ پریس کلکتہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپ رہی ہے، اس مہینہ میں اسکے پروف آخر تک آچکے ہیں، اور امید ہے کہ آئندہ ماہ تک اسکی چھپائی کا کام ختم ہو جائیگا، اور اسوقت ہم علمی دنیا کے سامنے اس کا رنامہ کو پیش کرینگے تو سب کو معلوم ہوگا کہ ہنوز در فہم از عمر رفتہ تارے بہت بدتم از سر زلف تو یادگارے بہت

مولانا سید سلیمان کے جو مکتوبات ہر ہفتہ بعض اجاب کے نام موصول ہوتے رہتے ہیں، انکا ایک حصہ اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے، پھر بھی بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنکا ذکر معارف ہی کے صفحات میں ہونا چاہیئے، مولانا پیرس سے اپنی ایک تازہ عنایت نامہ میں فرماتے ہیں: ”بیان کی دو انجمنوں میں آج جانا ہوا، ایک انجمن حقوق انسانیت، دوسری انجمن سیر عالم، یہ دوسری انجمن شہر سے باہر ایک سنان باغ کے سایہ میں واقع ہے، مختلف گنج درخت میں مختلف عمارتیں ہیں، اس میں ایک فوٹو گرافی اور ایک سینما کی عمارت ہے، مختصر کتب خانہ ہے، ہمارے فوٹو بیان لئے گئے، سینما میں میدان جنگ کے مختلف سمان اور

دہلی و آگرہ کے عجائبات تعمیری دکھائے گئے، یہ انجمن اپنے ممبروں کو دنیا کے مختلف
حصوں میں سیر کے لئے مناظر کے فوٹو لینے کے لئے بھیجتی ہے، اسکو دیکھ کر ہکو اپنا دارالمصنفین
یاد آگیا، وہی درختوں کے جنگل اور وہی خاموشی و سکون۔“

پیرس جی سے ایک دوسرے عنایت نامہ میں تحریر ہے :-

”یہاں اگر میں نے چند مضامین لکھے، مسئلہ خلافت پر جو مضامین لکھے، وہ سلم آؤٹ لک
میں چھپے، ایک مضمون ”اسلام اور دنیا“ کے عنوان سے معترضانہ نیو اسٹیشن لندن میں
چھپا تھا، میں نے اسکا جواب لکھا، اور وہ اس ہفتہ میں شائع ہوا، بریٹن اینڈ انڈیا ایک
نیا رسالہ ایک انگریز خاتون کی ایڈیٹری میں نکلا ہے، اپریل نمبر میں پردہ اور موجودہ نسوانیت
ہند پر ایک مضمون نکلا تھا، اسکا جواب لکھ کر اسکو بھیج دیا ہے، ایک جلسہ میں میں نے تقریر
کی تھی وہ بھی اس نے لپی تھی کہ رسالہ میں شائع کرونگی، پیرس میں میں نے عربی میں جو تقریر
کی تھی وہ یونس کے اخبار الصواب میں شائع ہوئی ہے، میوکی بان سے ملے کا ارادہ ہے
اور خصوصاً اردو کے پردفیسر سے، کیمبرج کی مجلس طلبہ ہند میں میں نے اردو یا ہندوستانی
زبان کی ضرورت پر تقریر کی تھی۔“

ایک تیسرے مکتوب میں جو لندن سے موصول ہوا ہے، تحریر ہے :-

”پچھلی ڈاک میں انڈیا آفس لائبریری کی اردو کتابوں پر مضمون بھیجا ہے، پہنچا ہوگا، میں
”قلمی کتابوں کا تذکرہ نہیں ہے، کیونکہ اسکی کوئی فہرست مرتب نہیں ہے، تاہم میں پردفیسر
سندھ کے ذریعہ سے (جو یہاں اب اسٹنٹ لائبریرین ہیں) پردفیسر بلوہارٹ سے

ملا جو قلمی اردو کتابوں کے انچارج ہیں، دیکھ کر سخت تعجب ہوا، بہت بڑے آدمی، ۸۰
کم عمر ہونگی، بالکل سن سفید اور پیری سے خمیدہ پشت ہیں، سنہ ۱۸۷۰ء میں ہندوستان گئے تھے
اور دہمدہ اور صحیح خارج کے ساتھ بولتے ہیں، برٹش میوزیم میں بھی اردو کا صحنہ انہیں کے
معلق ہے، انھوں نے انڈیا آفس کی اردو قلمی کتابوں کا مسودہ فہرست اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا
مجھے دیا، لیکن یہ فہرست بالکل بے ترتیب ہے، اس سے کسی چیز کا نکالنا مشکل نظر آیا،
بہر حال اتنا معلوم ہوا کہ اردو کی کل تین سو قلمی کتابیں بیان میں، یہ زیادہ تر دہلی سے
ہاتھ آئی ہیں، سعادت علی خان رنگین کی دس بارہ تصنیفات ہیں، ہندی کی قلمی کتابیں
(۱۰۰) ہیں، ہندی بھی پردفیسر بلوہارٹ ہی سے معلق ہے، پردفیسر موصوف اردو کے
بہت مداح ہیں، اردو کو ہندوستان میں ذریعہ تعلیم بنانے کے موید ہیں، ہندی کے مقابلہ
میں اردو کو ہندوستان میں زیادہ پھیلنے والی قوت تسلیم کرتے ہیں۔“

سعادت یار خان رنگین، خوش قسمت تھے، کہ انکی متحدہ تصانیف کے مسودات کو
انڈیا آفس کے کتب خانہ میں جگہ ملی، لیکن کیا رنگین کے بعد اردو میں کوئی اور مصنف یا شاعر
اس پایہ کا نہیں ہوا ہے؟ کیا حالی و شبلی، اکبر و اقبال کا مرتبہ رنگین سے بھی فروتر سمجھا گیا ہے؟
اردو کا افلاس و ناداری مسلم ہے، لیکن باہن ہمد اللہ رنگین سے بہتر تو انکے بعد صد ہا شعراء
و مصنفین پیدا ہو چکے ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ اسلے و گلگرسٹ، ہالرائڈ و لائٹنر،
بیمز و فیلن کے ہم قوموں سے ذوق علم و شوق ادب رخصت ہو گیا ہے، انوار شمع طور آج بھی
بدستور ہیں، البتہ سینہ کلیم شاید تناسل دیدار سے بے نور ہو چکا ہے،

یونہ کی زنانہ یونیورسٹی کا تذکرہ اس سے پیشتر ان صفحات میں آچکا ہے، حال میں بھی کے مشہور مہاجن سر دھل داس نیکرے نے اسکو جو عطیہ عنایت کیا ہے اسکی تعداد پندرہ لاکھ ہے، اس شایانہ عطیہ کو ملا کر یونیورسٹی کے پاس اسقدر مجموعی سرمایہ ہو گیا ہے، جسکے منافع کی آمدنی ستر ہزار سالانہ ہوگی، یونیورسٹی کا آئینہ مرکز بمبئی قرار پایا ہے، اور یونہ بمبئی و احمد آباد وغیرہ میں متعدد کالج اور اسکول کھولے جا رہے ہیں، جو سب کے سب اسی یونیورسٹی سے ملحق ہونگے، ارکان مجلس انتظامیہ نے تجویز کیا ہے کہ کل مجوزہ مصارف کے لئے کم از کم ایک لاکھ سالانہ یعنی موجودہ آمدنی سے تیس ہزار سالانہ زاید آمدنی کی ضرورت ہوگی، یہ رقم بظاہر بہت بڑی معلوم ہوتی ہے، لیکن جس قوم کا ایک ایک فرد اسقدر اوال العزم ہو، اسکے لئے اتنی رقم کی فراہمی چند روز کا سوال ہے، یہ سوال اس قوم کے سامنے نہیں، جسکے پاس لے دیکے لکھنؤ و علی گڑھ کے کل دو مدارس نسوان ہیں، اور ان میں بھی پہلے کی حالت نیم خفۃ اور دوسرے کی نیم مردہ ہے،

ہندو یونیورسٹی کی تحریک سلمہ سے شروع ہوئی، اور سلمہ میں یونیورسٹی قائم ہوگئی، یونیورسٹی کا تخیل سلمہ میں پیدا ہوا، اور سلمہ سے باضابطہ تعلیم شروع گئی، پٹنہ یونیورسٹی کی تجویز کل ہوئی اور آج عمل ہونے لگا، دہلی یونیورسٹی کا نقشہ چند سال ادھر تیار ہوا، اور اسوقت تک مسودہ قانون منظور ہو چکا، لکھنؤ یونیورسٹی کا خواب شب کو دیکھا تھا اور صبح ہوتے ہی اسکی تعبیر پوری ہونے لگی ہے، غرض اس دس برس کے عرصہ میں متحد سرکاری و غیر سرکاری یونیورسٹیاں عدم محض سے وجود میں آچکی ہیں، لیکن اس شرف مخصوص میں مسلم یونیورسٹی کا کوئی شریک نہیں، کہ گوا اسکی تجویز سب سے قدیم تر ہے، اگر اسکا وجود سب سے زیادہ ضروری ہے

اور اگر اسکا خیر مقدم انتہائی جوش و خروش کے ساتھ ہوا تھا، تاہم عملی حیثیت سے آج بھی یہ تحریک ٹھیک اسی جگہ پر ہے، جہاں ہمیشہ تھی، اور سرون کو اگر انہی حرکت و رفتار عمل پر ناز ہے تو ہوا کرے، یہیں اس فخر سے کون محروم کر سکتا ہے کہ جمود و سکون میں ہمارا مرتبہ سب سے بلند ہے؟ -

حاشا اس سے یہ مقصود نہیں کہ حکومت جن شرائط پر یونیورسٹی دے رہی تھی، انہیں کو منظور کر لینا چاہیے، یا خواجہ خواہ اپنی یونیورسٹی کو سرکاری ہی رکھنا چاہیے، لیکن آخر کوئی قدم تو آگے بڑھنا چاہیے، آزادانہ و خوددارانہ شرائط پر خواہش حصول یونیورسٹی کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ اسے اڑ بنا کر دست دپاشکستہ اشخاص کی طرح اپنے تئیں بالکل معطل بنا لیا جائے دوسرے قافلے جو ہم سے کہیں بعد کو روانہ ہوئے تھے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے پوری تیز روی کے ساتھ گزرتے ہوئے چلے گئے، لیکن آج تک

ہم محض نالہ جرس کا ردان رہے

بنداد و دمشق، قرطبہ و غرناطہ کو علمی مراکز بنانے والے اسلاف نے کیا ساری دماغ سوزی و جگر کا دی اسی لئے کی تھی کہ اپنے اخلاف کو ہمیشہ کے لئے علمی و تعلیمی جدوجہد کے فرض سے سبکدوش کر جائیں؟ -

کلکتہ یونیورسٹی نے اپنے ہان (پوسٹ گریجویٹ کلاسز) بی، اے پاس طلبہ کے لئے السنہ حالیہ کا جو نصاب درس رکھا ہے، اس میں اردو کئی سال سے داخل ہے، حال میں بمبئی یونیورسٹی نے بھی اپنے ہان بی، اے اور ایم اے کی جماعتوں میں ایک مضمون اردو زبان کا

رکھنا طے کیا ہے، اور منتہی طلبہ کے لئے ایک اردو لکچرار کا تقرر منظور کیا ہے، پنجاب یونیورسٹی سالہا سال سے جو خدمت اردو زبان و ادب سے متعلق انجام دی رہی ہے اس کا اعتراف بھی سب پر واجب ہے، اور تو اور مدراس یونیورسٹی تک اردو کی جانب سے بے التفات نہیں، البتہ سرکاری یونیورسٹیوں میں سے اگر کسی کا طرز عمل اردو سے متعلق سردھری دے اعتنائی کا مجسمہ ہے تو وہ الہ آباد یونیورسٹی ہے جو اردو کے مرکز اعلیٰ میں واقع ہے اس کا کتب خانہ اردو کتابوں سے یکسر خالی ہے، اس کے اعلیٰ انصاب درس میں اردو کی کوئی گنجائش نہیں، اس کی فہرست اساتذہ میں تعلیم اردو کے لئے کسی ہستی کا وجود نہیں، اس کے خزانہ عامہ میں اردو ارباب قلم کی اعانت کی کوئی مدد نہیں، اس کا نظام امتحانات، اردو کے عنوان سے نا آشنا ہے اس کی تاریخ اردو کی قدردانی کے ذکر سے خاموش ہے، اور اس کا نظام کار اردو کے واجب حقوق کے اعتراف سے نامالوس ہے، جو خطہ اردو زبان کا سب سے بڑا مرکز ہے، جہاں کے بچہ بچہ کی مادری زبان اردو ہے، جس کے حلقہ میں لکھنؤ، آگرہ، فیض آباد شامل ہیں، کیا اس خطہ کے خدایان تعلیم کا اپنے صوبہ کی زبان کے ساتھ بھی برتاؤ ہونا چاہیے تھا؟ دنیا کی تعلیمی تاریخ میں یہ واقعہ آپ اپنی نظیر رہیگا۔

گاندھی صاحب کے حسب ہدایت اور الہ آباد کی ہندی سمیٹھن کی زیر نگرانی مدد اس میں جو کوششیں ہندی زبان کی ترویج و اشاعت کے لئے دو برس سے جاری ہیں وہ ایک بڑی عذتک بار آور ہو چکی ہیں، اور اس مشن کو پانچ سال تک اور جاری رکھنے کے لئے حال میں بمبئی کے ماژدار یون نے پچاس ہزار کا سرمایہ بھی فراہم کر دیا ہے سٹر گاندھی فرمائے ہیں کہ زبان تو ہندی و اردو دونوں ایک ہی ہیں، فرق صرف رسم الخط کا ہے، اور انہیں توقع ہے کہ مسلمان ایک بڑی آبادی کی سہولت کے خیال سے اپنے اوپر تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے ناگری رسم الخط بہ مسرت تمام سیکھ لیں گے، گاندھی صاحب کا خلوص نیت قطعاً ہر قسم کے شک و شبہ سے ارفع ہے، لیکن ان کے اس مشورہ پر مسلمان غالب کی زبان میں صرف اتنا عرض کر دینا چاہتے ہیں ۵

عشق و مروت دریں عشرت گاہ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم کنو نائی فرما دینیں

غیر الہ آباد یونیورسٹی نے تو اس معاملہ میں اپنے فرائض کو جب قدریاد رکھا اور جیسی کچھ داد دیانت دی ہے، اس کا فیصلہ تاریخ پر چھوڑا جاسکتا ہے، لیکن کیا لکھنؤ یونیورسٹی میں بھی یہ ظلم روا رکھا جائیگا؟ اردو زبان کا حق تو یہ ہے کہ اب اسے لکھنؤ یونیورسٹی میں بطور آلہ تعلیم کے رکھا جائے، اور جملہ علوم و فنون کی تعلیم بجا سے انگریزی کے اردو ہی کے ذریعہ سے ہو لیکن اس تجویز پر عملد آمد اگر سروسست محال ہے تو کم از کم اتنا تو بہر حال ہونا چاہیے کہ

پچھلے نمبر میں اخبار علیہ کے زیر عنوان ایک جدید آلہ کی اختراع کا حال درج ہوا ہے جسکے ذریعہ سے ملزمین کو جھوٹ بولنے کا موقع نہ ملے گا، اسلئے کہ جب وہ اپنے دیکھے ہوئے کسی واقعہ سے انکار کریں گے تو فوراً ان کا جھوٹ اس آلہ کی وساطت سے کھل جائیگا، یہ آلہ چونکہ اپنی نوعیت میں عجیب و غریب ہے اسلئے بعض ناظرین معارف اس خبر کو باور نہ کر کے ہم سے اسکی تصدیق چاہتے ہیں، ہم اسکے جواب میں اور کیا عرض کر سکتے ہیں کہ انکی طرح ہم بھی اس آلہ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے ہیں، البتہ اگر بجائے عدالت کے سامنے لائے ہوئے ملزموں کے اسکا تجربہ ایوان وزارت کے کرسی نشینوں، سفارت خانوں کے عہدیداروں میدان سیاست کے پہلوانوں، اخبارات کے مقالہ نگاروں، اور قومی لیڈروں پر کامیاب ثابت ہو تو بیشک یہ ایک ایسا معجزہ ہوگا جس پر سب کو ایمان لے آنا پڑیگا،

مسلمان اپنے مذہب سے جس شغف کا اظہار کرتے ہیں، اسکا تقاضا یہ تھا کہ یورپ میں تبلیغ اسلام کے لئے یورپین زبانوں میں قرآن مجید کے متعدد تراجم مستند و ذلیل علم مسلمان ارباب قلم کی طرف سے شائع ہو چکے ہوتے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب تک کسی مغربی زبان میں ایک بھی صحیح ترجمہ قرآن موجود نہیں، انگریزی میں متعدد تراجم سیل، پامر، رادول، وغیرہ یورپین اشخاص کے موجود ہیں، لیکن انہیں دیکھ کر یورپ کی عربی دانی سے حیرت کے ساتھ بدگمانی ہوتی ہے، تعصب و عداوت کی رنگ آمیزیوں سے قطع نظر اگر کے قرآن کی معمولی عبارتوں کے سمجھنے میں ان حضرات سے جو حیرت انگیز غلطیاں واقع ہوئی ہیں، ان کا اندازہ لیجئے اسکے ہونا ناممکن ہے کہ ان ترجموں کو قرآن کے پہلو پہلو رکھ کر پڑھا جائے، آگسٹو ڈکیمبرج کے علماء شریعت کی یہ غلطیاں اکثر اس درجہ کی ہیں جو مبتدی عربی خوانوں سے بھی نہیں ہو سکتی

مولوی محمد علی (احمدی) ایم، اے کا انگریزی ترجمہ بعض حیثیات سے نسبتاً بہتر ہے، پھر بھی سو تفہم کی یہ کثرت مثالوں سے خالی نہیں، لیکن آج کیسے اتنی ہمت ہو جو مسلمانوں کو ضروری "واہم" مشاغل سے ہٹا کر اس ضرورت کی جانب منوجہ کر سکے؟

مستند انگریزی ترجمہ قرآن کی جب قدر ضرورت یورپ میں تبلیغ اسلام کے لئے ہے، اسقدر خود ہندوستان کے ان علاقوں میں ہے، جہاں مادری زبان اردو نہیں، ان آبادیوں تک پیام حق پہنچانے کا بہترین ذریعہ تو یہ تھا کہ بنگالی، مرہٹی، گجراتی، ہندی، تامل، تملگو، وغیرہ ہندوستان کی ہر زبان میں اسکا صحیح ترجمہ موجود ہوتا، لیکن اگر سر دست یہ ممکن نہیں تو اس مقصد کو ایک حد تک انگریزی ترجمہ کی مدد سے پورا کیا جاسکتا ہے، لیکن موجودہ صورت میں غیر عربی دان وغیرہ دودان قوموں کو چار و ناچار انگریزی کے غلط و ناقص تراجم ہی پر اعتماد کرنا ہوتا ہے اور رقیب کے ذریعہ سے پیام رسالی کے جو نتائج ہو سکتے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں،

گذشتہ نمبر میں ہم ایک کرم فرما کی علی فیاضی کا شکریہ ادا کر چکے ہیں لیکن اس سلسلہ میں ہمیں ایک اور عنایت فرما کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے، چودہری محمد علی صاحب راولی (اودھ) کے ایک علم دوست رئیس میں، جنھوں نے دارالمصنفین کو مسٹر جنس ہسٹری آف دی ورلڈ (مورخین کی تاریخ عالم) کی مکمل پچیس جلدیں عنایت کی ہیں، دارالمصنفین کا انگریزی کتب خانہ ابھی بالکل ابتدائی حالت میں ہی اسلئے یہ عطیہ خصوصیت کے ساتھ قابل شکر ہے، اس کتاب کو یورپ کے مشاہیر علماء تاریخ کی ایک جماعت نے اپنی مشترکہ محنت سے ۱۴ سال ہوئے تالیف کیا تھا، اور اگرچہ اسکا معیار تحقیق اس قدر بلند نہیں جسکی توقع کی جاتی تھی، پھر بھی بلحاظ جامعیت کتاب قابل قدر ہے۔

مقالہ

قصہ بکاؤلی اور مسایل تصوف

کیلنگ نے جو درجہ دیکھا ایک مشہور انگریز ادیب ہے، عرصہ ہوا ایک نظم کی غنی جبکہ ایک شعر یہ تھا کہ

”مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، دونوں کبھی متحد نہیں ہو سکتے۔“

کیلنگ اس وقت لاہور کے اینگوانڈین روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے حلقہ ادارت میں تاجوہندوستانوں سے تعصب رکھنے میں مشہور ہے، اور خود اس نظم کا مقصد بھی مغرب کی افضلیت ثابت کرنا تھا، اسلئے اہل مشرق کو قدرۃً اسکی اشاعت سے سخت اشتغال پیدا ہوا، اور ہندوستان میں کئی انگریزی نظمیں اس نظم کے جواب میں لکھی گئیں،

لیکن کیا جو خیال اس شعر میں ادا کیا گیا ہے، اسکی واقعیت سے انکار ممکن ہے؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ مشرق مشرق ہے، اور مغرب مغرب، اور دونوں میں ”بعد المشرقین“ حایل ہے، فضایل و زایل کا سوال الگ ہے، لیکن اس حقیقت سے کسکو انکار ہو سکتا ہے کہ صورت و شکل، رنگ روپ، قد قامت، زبان دلچہ، رسم و رواج، اخلاق و معاشرت، وضع و لباس مذہب و عقاید، غرض ایک ایک چیز میں مشرقی، مغربی سے الگ ہے؟

ان میں سے بعض ایسے اختلافات ہیں جو بالکل قدرتی و طبعی ہیں، اور انسانی تصرف و اختیار سے خارج ہیں، مثلاً صورت، رنگ اور زبان کی خصوصیات، لیکن اکثر اختلافات ایسے ہیں جو اس حد تک انسانی ارادہ کی دسترس سے باہر نہیں بلکہ جنہیں انسان اپنی پسند

خواہش سے اختیار کرتا رہتا ہے مثلاً قوانین حکومت یا آداب معاشرت،

اس آخری شق کے، یا اختیاری، اختلافات تعدد میں بہت زاید ہیں، لباس میں ہمارے ان کے کوئی مناسبت نہیں، طریقہ تعلیم میں ہمارے ان کے سخت اختلاف ہے، ہمارے ہاں کے مراسم نکاح پر وہ نہتے ہیں، ہلو ان کے ہاں کی ”کورٹ شپ“ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے، ہماری معاشری زندگی کی روح خاندان مشترکہ ہے، ان کے نزدیک یہ ایک احمقانہ دستور ہے، مردوں کے فاتحہ کا رواج ہندوؤں اور مسلمانوں میں عام ہے، اہل مغرب کی نظر میں اس سے بڑھکر ضعیف الاعتقاد ہی کی کوئی مثال نہیں، غرض اس طرح کے صد ہا بلکہ ہزار ہا اختلافات پائے جاتے ہیں، اور گو ہر دور میں انکے جزئیات بدلتے رہتے ہیں، تاہم اصلاً دونوں کے حدود بجائے خود قائم رہتے ہیں، موجودہ دور نے بیشک ان امتیازات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کوشش کا اثر اتنیک بہت ہی محدود رہا ہے، ہندوستان کی آبادی کا شاید ایک یا دو فیصد ہی حصہ ایسا ہے جو اس وقت تک انگریزی معاشرت اختیار کر سکا ہے، اور مغرب میں تو جتنے اشخاص مشرقیات سے متاثر ہوئے ہیں، ان کا شمار انگلوں پر ہو سکتا ہے۔

ان تمام امتیازات و اختلافات کو اگر کسی بڑے اصول کی ماتحتی میں لانا چاہیں تو صرف دو الفاظ کافی ہونگے، روحانیت و مادیت، روحانیت کا گہوارہ مشرق ہے، اور مادیت کا لجوا و امن مغرب ہے، ریل اور تار برقی، ہوائی جہاز اور مشین گن مغرب کے اختراعات ہیں، مذاہب عالم مشرق کے پیداوار ہیں، خود حضرت مسیح کا بچہ خدا ہونے پر سارا مغرب متفق اللفظ ہے، (گو عملاً وہ انہیں خدا کیا معمولی انسان سے بھی فروتر سمجھتا ہے) مولد و منشاء بھی مشرق تھا، مغرب کو کپلر و نیوٹن، مارکونی و ایڈلین، پاسیور و ڈارون پر تازہ ہے، جنہوں نے علوم مادی کے خزانوں کی کنجیاں ایک ایک کے ہاتھ میں دیرین، مشرقی انکے

مقابلہ میں کرشن، دگوتھ بدھ، کنفسوشس و زرتشت، رومی و جیلانی کے نام پیش کرتا ہے، جو اقلیم باطن کے غیر فانی تاجدار ہوئے ہیں، مغرب اپنے سب سے زیادہ قیمتی مقبوضات اپنی یونیورسٹیوں اور کالجوں، کیتھولون اور عجائب خانوں، تماشگا ہون اور نمائشگا ہون کو سمجھتا ہے، مشرق اپنی خانقاہوں اور درگاہوں، مندروں اور شوالوں، عبادت گاہوں اور زیارت گاہوں، جان دینے کو تیار رہتا ہے،

مشرق و مغرب کا یہ اصولی فرق، علم و فن، اخلاق و سیاست، تمدن و معاشرت، تعلیم و تربیت، غرض زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ میں نظر آتا ہے، یہاں تک کہ جو چیزیں بطور دونوں میں مشترک معلوم ہوتی ہیں، بغور دیکھا جائے تو ان میں بھی یہی امتیاز قائم ملیگا، اور اسکی ایک مثال پر اسوقت نظر کرنا ہے،

اصناف ادب میں افسانہ ایک ایسی چیز ہے جسکے متعلق پہلا قیاس یہ ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب میں کوئی امتیاز نہ ہوگا، کہانیوں سے جو دلچسپی بیان کے بچوں کو ہوتی ہے، وہی وہاں کے بچوں کو بھی ہوتی ہے، حسن و عشق کے تذکرے جیسے ہمارے نوجوانوں کو مرغوب ہیں ویسے ہی ان کے ہاں بھی ہیں، غم و مسرت، لذت و الم، درد و حسرت کے جذبات جیسے ہم میں ہوتے ہیں ویسے ہی ان میں بھی ہوتے ہیں، لیکن با این ہمہ مشرق و مغرب کے افسانوں میں آسمان و زمین کا فرق ہوتا ہے، نہ صرف ان ظاہری چیزیات سے جنہیں "ناول" و "فسانہ" کے درمیان ماہر الامتیاز قرار دیا جائے بلکہ اصلی روح یا اسپرٹ کے لحاظ سے، قصص مشرقی و مغربی ایک دوسرے سے محض طرز ادب پر ایہ افسانہ گوئی کی بنا پر ممتاز نہیں ہوتے، بلکہ جان و سخن و مغز و کلام کے لحاظ سے بھی بالکل الگ الگ ہوتے ہیں،

مادیت و روحانیت کے حدود حکومت اس میدان میں نمایان طور پر نظر آتے ہیں،

ہیمر، شکسپیر، میوگو، ڈوما، ڈکنس، تھیکرسے، جارج ایللیٹ، وغیرہ مغرب کے بہترین دماغوں کے افسانوں کو دیکھو، (بہ استثناء شاذ بہر حال اسی مادی دنیا کی شکست کے واقعات و مناظر و بردہ ہونگے، بخلاف اسکے مشرق کا ہر افسانہ جو ذرا بھی ممتاز فلم سے نکلا ہوگا، اپنے اندر روحانیت کے عناصر ضرور رکھیکا، مہا بھارت اور راماین سے قطع نظر کر کے جو سرتاسر مذہبی افسانہ ہیں، عام مذہب و عشقہ فسانے بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آئینگے، یہاں تک کہ جو افسانے موجودہ ہندو جماعت کے نزدیک نہایت عامیاناہ بلکہ بتدل سمجھے جاتے ہیں، اور واقعہً ان میں فحش و ابتذال کی مثالیں قدم قدم پر ملتی ہیں، اگر تلاش کیا جائے تو ان دریاؤں میں موعظت و اخلاق، تزکیہ نفس و صفائے روح کے موتی بکثرت دستیاب ہونگے، بلکہ اکثر یہ ثابت ہوگا کہ مجاز کے پردہ میں پوری داستان حقیقت و معرفت بیان ہو رہی ہے، حافظہ کے جام و بادہ ساتی و پیمانہ ابر و میخانہ کے معانی سے کون ناواقف ہے؟ لیکن دراصل مطالب عالیہ کی رمز بیانی کے لئے خواجہ حافظ جیسی جلیل القدر مہینوں کی تخصیص نہیں بلکہ مشرق کا یہ عام مذاق ہے کہ رندی و عاشقی کے مصطلحات میں حقائق و معارف کی تعلیم دی جاتی ہے،

الف لیلہ، داستان امیر حمزہ، بوستان خیال، و طاسم ہوشربا، اس نوعیت کی کتابوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں سمجھی جاتی کہ آج اسکا نام شالیستہ و تعلیم یافتہ جماعت کے سامنے بغیر شدید مضحکہ کے لیا جاسکے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر کتاب باوجود خوارق عادت کے تذکرہ اور پیرایہ بیان کے ابتذال کے ایک گنجینہ اسرار تصوف ہے، جسکے نظر آنیکے لئے کسی غیر معمولی روحانی بصارت و بصیرت کی ضرورت نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ مغربی سطحیت کی جو عینک آنکھوں پر چڑھی ہوئی ہے اسے اتار کر رکھ دیا جائے،

اسی قسم کے افسانوں میں ایک قصہ گل بگادی ہے، جسکے مطالب سے اگرچہ ہمارے

ہاں کا بچہ بچہ واقف ہے، تاہم اس "تبتذل" قصہ کے نام پر مضحکہ کرنا ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ میں روش خیالی کی متکلم دلیل سمجھی جاتی ہے، صفحات ذیل میں یہ دکھانا ہے کہ یہ افسانہ بھی درحقیقت اسرار تصوف کا معلم ہے، اور یہ کوئی راز نہیں، بلکہ مصنف خود بار بار اسکی تصریح کرتا جاتا ہے، حیرت، اس پر ہے کہ اتنی کئی بات پر بھی نگاہیں نہیں پڑتیں!

بکا دلی کا اصل قصہ نہایت ہی قدیم ہے، جسکی تاریخ کا علم خود تاریخ گو بھی نہیں اور نہ اس بحث میں پڑنے کا یہ موقع ہے، مختصر یہ کہ ہندوؤں کی بعض قدیم ترین کتابوں میں اسکی حوالے ملتے ہیں، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ ابتداء اسکی متعلق کوئی کتاب سنسکرت میں لکھی گئی ہوگی، تقریباً ۲۲ھ میں شیخ غوث اللہ بنگالی نے اسے فارسی زبان میں مرتب کیا، اور لارڈ ویلزلی گورنر جنرل ہند کے عہد میں لالہ ہنا چند لاہوری نے جنکا مولدہی تھا اور جو کلکتہ میں مقیم رہتے تھے، اردو زبان کے نامور محسن جان گلگرسٹ کے حسب فرمائش اسکا ترجمہ اردو میں کیا، ترجمہ کا سنہ قطعی طور پر معلوم نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ لارڈ ویلزلی کی مدت حکومت ۱۸۵۸ء سے ۱۸۵۹ء تک تھی، اس حساب سے اس کتاب کو اردو میں آئے ہوئے کم و بیش سوا سو سال ہوئے ہیں، اسکا پورا نام "مذہب عشق معروف بہ گل بکا دلی" ہے، یہی وہ کتاب ہے جو کچھ کم صفحات کی ضخامت کے ساتھ حنائی کاغذ پر چھپی ہوئی عام طور پر بازاروں میں ملتی ہے، اور یہی شادی گلزار نسیم کا ماخذ ہے (اسکے علاوہ ایک دوسرا قصہ گل بکا دلی بھی اردو میں موجود تھا، لیکن اب وہ نایاب ہے)

(۱) قصہ کے پلاٹ کا آغاز یہ ہے کہ زمین الملک ایک فرمان رواے با اقبال تھا، اسکی نظر جب اسکے محبوب فرزند تاج الملک پر پڑی تو دفتہ بصارت جاتی رہی، اطباء نے بتایا کہ اگر گل بکا دلی کہیں سے دستیاب ہو سکے تو بینائی عود کر سکتی ہے، تاج الملک کے چاروں

بڑے بہائی ایک ساتھ، اور تنہا تاج الملک الگ، اس گل نایاب کی تلاش میں روانہ ہوئے ملک بکا دلی میں داخل ہونے سے پہلے ایک اور شہر پڑتا تھا، اس میں ایک عیار طولف ہتی تھی، جو چوسر کیلئے میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی، اور ایک بلی اور چوہے کی مدد سے ہمیشہ بازی جیت جاتی تھی، چاروں شہزادے اسکے ہاں گئے، اور اپنی تمام دولت بلکہ آزادی کو بھی ہار کر اسکے غلام بن گئے، چند روز کے بعد تاج الملک پہنچا، اس نے اس عیارہ کے مکر و فریب کو ٹار لیا، اور ایک نیولے کی مدد سے اسے کہیل میں شکست دیکر اسے خود اپنی لونڈی بنایا، اور تمام شہزادوں کو اسکی غلامی سے نجات دلائی، لیکن جانتے ہو یہ مجاز بیانی کس گنجینہ معارف کا طلسم ہے؟ اسکی شرح خود مصنف کی زبان سے سنو:-

"اسے عزیز تو نے معلوم کیا کہ میں نے کیا کہا، اس بات کا چاہل یہ ہے کہ دل عرش منزل تیرا جو رونی بخش تخت بادشاہی کا اور دیکھنے والا مادہ اور مجرد کاتھا، جب اسکی آنکھ اس خلقت ناپاک پر پڑی، اسکی بصارت کو زنگ لگا، اور دیدہ روشن تاریک ہو گیا اب اٹھ اور سرمہ بینائی ڈھونڈو، یعنی کل مراد کی تلاش کر، لیکن راہ میں دنیاے عیارہ کی بازی میں کہ تختہ فریب کا دہرا ہوا ہے، مشغول ہونا، مبادا وہ فاحشہ پہلے تجھ کو فریفتہ کر کے بنادے، اور بعد اسکے مکر کی بلی اور فریب کے چوہے کی مدد سے اچا پانسہ اپنے حسب مرضی پھینکے، اور اچانک تیرے توکل کا سرمایہ آخر ہو جائے، تب تجھ کو دائم الجس کر رکھے اگر تو صبر کرے، نیولے کی اعانت سے اس مکارہ کی بازی طلسم کو درہم کر دے، تو وہ فاحشہ جو بادشاہوں اور گردن کشوں کی ہم نشین ہے، تیری فرمان بردار لونڈی ہو کر چاہے کہ تجھ کو اپنے حسن و جمال بہائے، پھر اگر تو اسکے منہ پر الفت سے نگاہ نہ کرے تو یقین ہی کہ گل مراد کے دامن تک تیرا دسترس ہو،" (صفحہ ۱۷)

صوفیہ کرام اس سے زیادہ کس شے کی ہدایت کر سکتے ہیں؟

پڑتی ہے، مگر اسکا دل کسی پر نہیں جتا، اسے یقین ہے کہ اسکے دل کا چرانے والا کوئی اور ہی ہے اور وہ اسکے انتظار میں رہتی ہے، گویا عاشق مطلوب بن جاتا ہے، اور معشوق طالب، ان واردات قلب کی تصویر مصنف کا حقیقت شناس قلم کس خوبصورتی سے کہتا ہے :-

”سبحان اللہ کیا انہی بات ہے کہ معشوق طالب عاشق کا ہوا اور عاشق اسکا مطلوب، لیکن نہ تحقیق سے جو غور کرے تو سیدھی لگے، کیونکہ جب تک معشوق کو خواہش عاشق کی ہو اسکی چاہت ا کارت ہے اور کوشش بیفائدہ، آتش طلب کی جو عاشق کے گریبان سے شعل ہے فی الحقیقت، نکالی ہوئی مشوق کی ہے،“

عشق اول در دل مشوق پیدا میشود تا منصف شمع کے پروانہ شیدا میشود

بات بڑھ گئی، قلم کہتا ہے اسے شخص بس کر میں نے کہنے میں بہت ہی کوشش کی اور بات اپنی سہی کے دعویٰ کرتے ہیں کہ قلم نے کیا کیا ہم نے کہا، بازو اپنے تردد کا دم مارتا ہے کہ دست و قلم سے کیا ہوا، جو کچھ کیا میں نے کیا، غرض اسی طرح اسباب تحریر کے بڑھے اور ایک ایک پر فوقیت ہوتی گئی، وفتہ ایک سبب ایسا پایا گیا کہ وہ محتاج کسی سبب کا نہ تھا پس اسے عزیز اگر کو بتا دے کہ فی الحقیقت کہنے میں کسکی سہی ہے، اور ظاہر میں کسکی تو میں بھی

عاشق اور مشوق کی سہی کا جواب دون ”(صفحہ ۳۲، ۳۳)

کیا عام مغربی افسانوں میں مجاز سے حقیقت کی طرف عطف توجہ کی مثالیں ملتی ہیں؟

(۴) تاج الملوک نے اپنے والد کی سرحد حکومت سے متصل دیوون کی مدد سے ایک جنت نظیر شہر آباد کیا ہے، بادشاہ اپنے سفیر کو دریافت حال کے لئے بھیجتا ہے تاج الملوک اس خلق دلاطفت سے گفتگو کرتا ہے کہ بادشاہ کو خود اس اجنبی فرمان روا کے ہاں جے وہ اتنا گناہنا حریف سمجھ رہا تھا، بہ طور ہمان آئینکی ترغیب ہوتی ہے، یہاں پہنچکر وہ اپنے سعادت مند

(۲) تاج الملوک سفر کرتے کرتے سرحد ملک بکا دلی تک پہنچا ہے، لیکن وہاں پہنچکر اسے معلوم ہوا کہ قلعہ بکا دلی جہاں وہ گل مراد پوشیدہ ہے، اٹھارہ ہزار دیوون کی حفاظت میں ہے اور سال سال بھر کی مسافت کے مقامات تک انکی چوکیاں چلی ہوئی ہیں، انکے علاوہ ہیشمار پر بیان ہر وقت نگرانی کرتی رہتی ہیں، کہ کوئی پرندہ ہوا کے راستے سے بھی نہ پہنچ سکے، نیز جو ہون کا بادشاہ سبے حد حساب لشکر لئے ہوئے زمین دوز راستوں کی پاسبانی کرتا رہتا ہے، تاج الملوک نے یہاں پہنچکر ایک قوی، سیکل دیو کو کسی طرح اپنے موافق بنایا، اور اسکی بہن حاکم کو جو سب دیوون کی سردار بھی ملایا، یہاں تک کہ اس نے اپنی پروردہ ایک حسین لڑکی محمودہ کو اسکے نکاح میں دیدیا، مصنف ان اسرار معرفت کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے :-

”اسے عزیز، روشنی چشم ظاہر میں کی سات پروردن میں ہے، اور تجلی باری تنہا لے کہ نور دیدہ اولیا ہے، ستر ہزار پردے میں ہے، اگر یہ ارادہ ہے کہ وہ پردے درمیان سے اٹھیں تو پیلے اس بڑے نگہبان دیو نفس کا حجاب پنج سے اٹھا کر اسکی بس میں کر کہ وہ بعین اپنی بکری کو چوڑ کر محمودہ کے مقام میں پہنچائے، لیکن یہ بات یاد رکھ کہ اگر دیو سے اٹھا کیجئے تو بید ہا پڑے“ (صفحہ ۲۲)

ترکیہ نفس و عرفان حق کی اس سے واضح تر تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے؟

(۳) پھول تاج الملوک کے ہاتھ لگ گیا ہے، بادشاہ کی آنکھیں روشن ہو گئیں، میں اور بکا دلی خواب سے بیدار ہوتی ہے، اور پھول کو غائب پا کر سخت مضطرب ہوتی ہے، ساتھ ہی اسے پھول چرانے والے سے غائبانہ عشق بھی پیدا ہو جاتا ہے، اور خود تاج الملوک بھی اسے محو خواب دیکھ کر اسپر دل و جان سے عاشق ہو چکا ہے، بکا دلی اپنے پھول اور اپنے دل کے چور کی تلاش میں نکلتی ہے اور اگر بادشاہ کے ہاں خواہوں میں داخل ہوتی ہے، یہاں اسکی نظر چاروں بڑے شاہزادوں پر

فرزند کو پہچانتا ہے۔ اُسے سینہ سے لگاتا ہے، اور چاروں بڑے لڑکوں کو جنھوں نے اُن کا تاج الملوک کو طرح طرح کے نقصان پہنچائے تھے، سخت سزا دیتا ہے، اس باب کے خاتمہ پر جو رشتہات معرفت مصنف کے قلم سے نکلے ہیں، ان کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

”اے عزیز، تیری عزت بادشاہ کے دربار میں تیری خدمت کے موافق ہوگی چاہے تو کہ شاہزادے کے مانند کارشایستہ کرے، تو تیری محبت شاہ کے دل میں موثر ہو اور پیغام اپنی ملاقات کا تجھے بھیجے، بلکہ بیباکانہ آپ ہی تیرے پاس چلا آئے، اور بے اختیار تیرا سراپنی چھاتی سے لگا لے، اگرچہ پہلے دیدار کے لائق نہ ہو، لیکن آخر کار اسی مقام میں آپ کو پہنچائے کہ وہاں تیرا کوئی شریک نہ ہو سکے، پھر ایسا کام نہ کیجئے کہ شاہزادوں کے مانند داغ لعنت اٹھائے، اور کس و ناکس کے روبرو رسوا ہو۔“

ڈکنس و تھیکرے کے شیدائیوں کو افسانہ گوئی کے درمیان درمیان یہ درویشانہ صدا میں سخت نامانوس اور بے محل معلوم ہوتی ہوگی،

(د) تاج الملوک کو ایک طلسمی عصا دکلاہ ہاتھ لگ جاتے ہیں جنہیں اسے ہر قسم کے گزند محفوظ رکھنے کی قوت ہے، وہ ایک خوش منظر چشمہ کے کنارہ امین علیحدہ رکھ کر غوطہ لگاتا ہے، لیکن جب سر نکالتا ہے تو اپنے تین عورت پاتا ہے، ایک زمانہ عجیب قسم کے مصائب میں گذرتا ہے، اسکے بعد پھر ایک حوض میں غوطہ لگاتا ہے، اور اب کی جو سر نکالتا ہے تو پھر اپنے تین صورت اصلی میں پاتا ہے، اب دیکھو کہ ان شعبہ باز یوں کے پس پر وہ مصنف کس طرح جمال حقیقی کا جلوہ دیکھتا ہے،

”اے یارانِ دہر، حق تمہارے لئے بنی آدم کے سر پر کرامت کی ٹوپی پہنا کر ادھر صحت کا

لے بادشاہ سے ظاہر ہے کہ بیان بادشاہ حقیقی مراد ہے،

عصا ہاتھ میں دیکر طلسم گاہ دنیا میں کہ مزرع آخرت ہے، عاقبت کی تکمیل کے لئے بیجا ہے، پس انسان کو چاہیے کہ گل و خار اور آب و سراب خوب پہچانے، ہر ایک باغ کے پھول کو نہ سونگے، ہر ایک نہر سے گھڑانہ بھرے، کہ بیان کا نئے گل سے رنگیں اکثر ہیں، اور شراب بصورت آب اور برادر ہے،

اے عزیز، اگر گوہر دنیا کے لینے کو چشمہ جہان میں غوطہ مار بیجے، مقرر اپنا کلاہ اور عصا کو دیگا، یہ حکم اس بات پر ہے کہ طالب دنیا مومنٹ ہیں، اور طالب مولیٰ مرد ہیں، تیرا پیکر معانی جو مانند مرد کامل ہے، بصورت زنانہ ناقص العقل ہو جائیگا، پس اس وقت شکیبائی کے سوا کچھ چارہ نہیں ہے، چاہیے کہ دم بخود ہو کر پھر دریا سے ذکر الہی میں غوطہ مارے، اسکے بعد جو سر اٹھائیگا، وہی عصا ہاتھ میں اور وہی ٹوپی سر پر دیکھیگا۔ (صفحہ ۵۵)

کیا جو کتاب اس قسم کی تعلیمات سے لبریز ہو، وہ اسی بے وقتی و تحقیق کی مستحق ہے جو اسکے ساتھ برتی جا رہی ہے؟

(۶) تاج الملوک بکا ولی کی خالہ زاد بہن کو قید شدید سے نجات دلاتا ہے، جس سے اسکی مان (بکا ولی کی خالہ) قدرتا اسکی نہایت ممنون ہو جاتی ہے، اور وہ اپنی بہن جمیلہ خاتون (والدہ بکا ولی) سے سفارش کرتی ہے کہ بکا ولی کو تاج الملوک کے عقد میں دیدیا جائے، جمیلہ خاتون کہتی ہے کہ انسان اور پری کا کیا جوڑ؟ اسکے جواب میں اسکی بہن شرف ہستی انسانی پر ایک خطبہ دیتی ہے:

”تو سچ کہتی ہے، لطیف کو ہم صحبت کثیف کرنا البتہ دانائی سے بعید ہے، لیکن تو

حضرت انسان کے کمالوں سے اگر واقف ہوتی تو ایسے ایسے خیال فاسد دل میں ہرگز

نہ لاتی، سن اے نادان، بشر خلیفہ یزدان ہے، اور اسکی صفت بے پایان میں اشرف

و افضل ہے اس کے ربوں اور درجوں کی انتہائیں، وہ ایک ہنگ ہے دریا کا سینہ والا
اور ایک قطرہ ہے حقیقت میں دریا، جامع ہے کمالات علم کوئی دالہی کا یعنی مادیت اور
مجردات کا، اور جمع ہے مراتب بندگی اور بادشاہی کا،

انسان کی ذات بنیخ جامع ہر گمان ظل خدا صورت خلق اس میں ہر عیان
جان، کہ صوفیہ ہر ایک کو عالم ارواح کے نوحوں میں سے باری تعالیٰ کے ایک ایک
اسم اور صفت کا منظر خاص جانتے ہیں اور اس عالم صورت کو کہ جو اس ظاہری اور
باطنی سے نسبت رکھتا ہے، اس عالم کا سایہ، پس ہر ایک ذرہ فرد کائنات سے
روشن ایک تجلی ابدی اور سیراب ایک قطرہ سردی سے ہے،

برگ درختان مبزور نظر ہو شاد ہر درخت و فترت از معرفت کرگار
اس عالم میں انسان کہ سارے افراد کون و فساد اسکے لازمی ہیں، خدا کے سارے اسموں
اور صفوں کا مصدر ہے، اور اس کی تجلیات خاص کا مقام کلام فضیلت انسان میں
دریائے بے پایان ہے، اس قدر پر اکتفا کیا۔ (صفحہ ۶۳)

اس عبارت کو اگر شروع شنوی مولانا روم، یا پھر حدیقہ سنائی یا تحفۃ الاحرار جامی
میں سے کسی کی جانب منسوب کر دیا جائے تو شاید کسی کو وجہ انکار نہ پیدا ہو سکے؟
(۷) سنگدھپ کے راجہ کی لڑکی تاج الملوک کے حسن پر عاشق ہوتی ہے، راجہ چاہتا ہے کہ
اسے اسکے عقد میں دیدے، لیکن خود تاج الملوک جسکی آنکھوں میں بکا دلی کی تصویر پھر رہی ہے
اسے کسی طرح قبول نہیں کرتا، راجہ برا فرد خستہ ہوتا ہے، وزیر کسی حکمت سے تاج الملوک کو
گرفتار کر کے قید میں ڈالتا ہے، لیکن یہ اسیری اسکی آئندہ مسرتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے
مشرقی افسانہ نویس اس موقع پر ایک صوفی منش حکیم اخلاق کا لب و لہجہ اختیار کر لیتا ہے

کہتا ہے :-

”سچ ہے کہ جو کوئی حکمت حکیم مطلق کی گوناگون تامل کی نظر سے دیکھے تو کسی چیز کو خالی شر سے
پنا دے، اور ہر ایک شر کے بعد خیر ملاحظہ کرے، اسے عزیز، حق تعالیٰ نے عالم ارواح کو
بدن سے رخصت دی ہے، پس جو حرکت کہ بظاہر بدن سے ہو، حقیقت میں روح سے ہی، غرض کہ
جو فساد اس عالم کون و فساد میں ہو، تو اسکی طرف سے جان لیکن شر نہ سمجھے کہ درپردہ وہ خیر ہے
کیونکہ وہاں شر کی گنجائش نہیں“ (صفحہ ۷۶)

آہیات کی کتابوں میں کیا مسئلہ خیر و شر کی اس سے کچھ زیادہ توضیح مل سکتی ہے؟

(۸) راجہ کی لڑکی چتراوت اپنے حسن و جمال کی انتہائی ترغیب و آرائش کے ساتھ تاج الملوک کے
سامنے آتی ہے، لیکن یہ سارے حربے بے اثر رہتے ہیں تاہم چتراوت کا عشق نمائشی نہیں، اسکی
محبت بالکل خالص و بے آمیز ہے، وہ کبتک بے اثر رہتی، بالآخر اسکے جذب صادق کا اثر
ہوا، اور تاج الملوک با این گریز و احتیاط خود بھی متاثر ہو گیا، کوئی دوسرا افسانہ نویس ہوتا تو
اس واقعہ کا ذکر کر کے بلا تامل آگے بڑھتا، لیکن ہمارا مصنف اس مقام پر ہنچکر مصنف
گلستان بجاتا ہے، اور سعدی کے لب و لہجہ میں کہتا ہے،

”سن اسے عزیز، رسول مقبول صلعم نے عبادت کو بادشاہ حقیقی کی نذر کے لائق نہ دیکھا
عجز سے کہا کہ عبادت تیری جیسی چاہیے، میں نے نہیں کی، پھر کسا منہ ہے کہ اپنی عبادت پر
نازان ہوا، بہتر یہی ہے کہ آپ کو اسکی محبت کی گھریا میں یہاں تک پگھلائے کہ اکیر کے مانند
خاک ہو جائے تا شاہان اکیر بند کی آنکھوں میں سونے سے زیادہ نظر آئے“ (صفحہ ۷۷)

اس واعظانہ و حقیقت سنجانہ انداز بیان پر مغربی افسانہ نویس اپنے اصول کے لحاظ
جس قدر بھی حیرت کرے بجا ہوگی،

(۹) تاج الملوک کو چتر اوت کے ساتھ نکاح کے ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے، دونوں کا ہر وقت ساتھ رہتا ہے، چتر اوت اپنی نو عمری کے ساتھ حسن و جمال میں بیکتا ہے، اور تاج الملوک اپنے اوپر فریفتہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتی، پھر بھی اسے چتر اوت کی طرف مطلق التفات نہیں ہوتا، اسلئے کہ اسکی آنکھوں میں بکاؤلی بسی ہوئی ہے، مصنف اس واقعہ سے بھی ایک درس معرفت پیدا کرتا ہے،

”اے عزیز، تیرے دل کی آنکھیں جب تک اغیار کے حسن کو دیکھنے والی ہیں، تجھے یار کی صورت نظر نہیں آتی، ہر جذبے پردہ ہو، پہلے خارِ رغبت اغیار کو دل کی سرزمین سے اکھاڑ کر ہینکھ لے، پھر گلِ رخسار یار کو آئینہ دل میں دیکھ لے، اگر تو اپنے گلشنِ وجود کو یہ نظر تامل دیکھے تو ان میں رنگ و بو کے سوا کچھ نپاوے“ (صفحہ ۸۰)

اگر ان پیہم تصریحات کے بعد بھی قصہ بکاؤلی کا شمار ادنیٰ و تبذل کتابوں میں ہے تو معلوم نہیں اعلیٰ مضامین کے لئے کیا معیار رکھنا پڑیگا؟

(۱۰) تصوف و انبیات سے قطع نظر کر کے کتاب میں جا بجا عشق مجازی کے واردات و کیفیات نفسی سے متعلق بھی نکات موجود ہیں، تاج الملوک کا نوجوان وزیرِ بہرام بکاؤلی کی خالہ زاد بہن روح افزا پر عاشق ہوتا ہے، لیکن خود روح افزا بھی برابر اسکی یاد میں گہماتی رہتی تھی اور بظاہر احوال صورت و صل نامکُن معلوم ہوتی تھی، مصنف اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، بلکہ اپنے ناظرین کو اس حقیقت سے روشناس کرتا ہے کہ

”سچ ہے، جو کوئی دیدہ غور سے ملاحظہ کرے تو عشق کی بیباکیِ مشوق میں زیادہ دیکھے یہ وہ گروہ ہے کہ کسی کے گلے میں کندہ عشق ڈال کر دور سے اپنے حضور میں کہیں لے اور کسی کو فنا میں جبر سے دور ہینکھ لے“ (صفحہ ۸۱)

اس قسم کے جملہ معترضہ کی مثالیں بیشک مغربی لٹریچر میں بھی بکثرت ملتی ہیں، (۱۱) کہیں کہیں مصنف نے فلسفہ عشق کے نکات کو اپنی زبان سے نہیں بلکہ اشخاصِ افسانہ (کیکریکٹرز) کی زبان سے ظاہر کیا ہے، مثلاً ایک مقام پر قصہ یہ ہے کہ بہرام، شہزادی روح افزا کا عاشق اسکی مشاطہ بنفشہ کی مدد سے شہزادی کے کمرہ تک پہنچ جاتا ہے، اور اپنے دردِ دل کے ترجمان بعض اشعار آئینہ کی پشت پر لکھ جاتا ہے، دوسرے روز صبح کو جب شہزادی کی نظر اس آئینہ پر پڑتی ہے تو اس کے دل میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں یہ حرکت بہرام کی تو نہیں، لیکن اس شبہ کو ظاہر بھی نہیں کر سکتی، آخر اس نے مشاطہ سے مخاطب ہو کر کہا:-

”اے بنفشہ، جو چیز ہمیشہ ہے وہ کیا ہے، اور جو تھے مدام غم کے ساتھ ہے کون شے؟ اس (بنفشہ) نے ہر چند غور کیا، لیکن جواب معقول نہ سوجھا، غرض کی کہ اسکا جواب لونڈی کل دیگی، اسوقت معاف کیجئے، یہ کہہ کر گھر آئی، مگر اس پہلی کے بوجھ میں نہایت متفکر تھی، اسکی گھبرائی صورت بہرام نے دیکھ کر پوچھا کہ بوا آج اتنی بھواس کیوں ہو، تب بنفشہ نے سوال روح افزا کا اس کے سامنے بیان کیا، اور کہا مجھ کو اس کے سوا کچھ جواب نہیں سوجھتا کہ ”اس حکیم مطلق کا نیرنگ دوام ہے، اور شادی غم سے وابستہ مدام ہے، بہرام نے یہ سن کر کہا، ”اس سوال کا یہ جواب ہرگز نہیں، بلکہ یہ ہے کہ جس عاشق کے منہ پر مشوق کے ہاتھ کے طمانچے لگے ہیں وہ ہمیشہ سرخرو ہے، اور مدام ناخوشی سے تلخ کام وہ ہے کہ جبکہ مطلوب محبوب ہے، اور وہ ہر ایک کو اپنا محبوب سمجھتا ہے“ (صفحہ ۸۲)

(۱۲) بہرام زنا نہ لباس پہنکر روح افزا تک تھلیہ میں پہنچتا ہے، بجز اس صورت کے رسائی کی اور کوئی تدبیر نہ تھی، اور یہی تدبیر بالآخر کامیابی و شادمانی کا مقدمہ ثابت ہوئی، نکتہ سنج مصنف اس بات سے بھی ایک بات پیدا کرتا ہے:-

”فی الواقع جو عاشق کہ مشتوق کا رنگ پکڑتا ہے، مشتوق خود اسکا عاشق ہو جاتا ہے چنانچہ پیغمبر خدا صلعم نے بھی اس وضع کا کلام فرمایا ہے، حاصل اسکا یہ ہے کہ خصایل خدا کی پیروی کر دتا قربت اس سے حاصل ہو“ (صفحہ ۸۷)

(۱۳) روح افزا بہرام کو پہچان کے ڈانٹا شروع کرتی ہے، کہ غیر محرم مرد ہو کر اس نے اسکی خلوت سرا میں قدم رکھنے کی کیونکر جرأت کی اور چاہتی ہے کہ اس گستاخی کی اسکو پوری سزا دے، بہرام عقوبت شاہی کے خوف سے بیہوش ہو جاتا ہے، روح افزا اسے قریب الموت خیال کر کے اپنے رخ گلفام کی خوشبو سونگھا کر اسے ہوش میں لاتی ہے، بہرام جب غش سے آنکھیں کھولتا ہے تو اپنے تئیں ”جنت نگاہ“ و ”فردوس گوش“ کے عالم میں پاتا ہے مصنف اس واقعہ سے بھی ایک مختصر درس معرفت پیدا ہی کر لیتا ہے:-

”اے عزیز، اگر اپنے نور عقل کو حکمتوں سے زیادہ نہ چمکائیگا، تو تجلی یار سے فائدہ نہ پائیگا، اگر تویہ ہستی ہو جو نہ چھوڑے تو حیات ابدی کب تیرے پاس آئے، جو راہ عشق میں آپ سے نہ گذرا، وہ منزل مقصود میں کب پہنچا“ (صفحہ ۸۷)

(۱۴) روح افزا اپنی رسوائی کے خوف سے طلسمی قوت سے مدد لیکر بہرام کو دن بھر قمری کی شکل میں تبدیل رکھتی ہے، اس کے گلے میں ایک طلسمی لوح ڈالے رکھتی ہے، اور پنجرے کو ہر وقت پیش نظر رکھتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ یہ چہرے سارے پرستان میں ہونے لگتے ہیں کہ شب کو ایک آدم زاد کی آمد و رفت روح افزا کے خلوت سرا میں رہتی ہے، عتاب سلطانی نازل ہوتا ہے، اور ہزار ہا جاسوس تلاش میں مصروف ہو جاتے ہیں جو زمین و آسمان کا گوشہ گوشہ تک چھان ڈالتے ہیں لیکن اس پنجرے پر کسی کی نظر نہیں پڑتی، اس ”مجاز“ سے دیکھو، مصنف ”حقیقت“ کی طرف کیسا موثر عطف توجہ کرتا ہے:-

”اے عزیز، تو عرش پر کسی کے ڈھونڈنے کا ارادہ رکھتا ہے جو تیرے خانہ دل میں ہے اسکی توجہ خبر نہیں، داہ داہ دور کا وہ بیان، اور نزدیک آپ سے انجان، کون ہی گھر میں جب اتنی ہی نہیں تکبر پھر پھر تو یہ کیا جانے کیا ہی اوج بام تہج پر“ (صفحہ ۸۸)

(۱۵) خاتمہ کے قریب، اسی قمری کی اصلیت کہنے کے ضمن میں مصنف اپنی تمام مجاز طرازیوں سے بھی پردہ اٹھا دیتا ہے، اور ارباب بصیرت کو صاف صاف دکھا دیتا ہے کہ طلسم سے مراد طلسم حیات، طایر سے طایر روح، اور نفس سے نفس وجود ہی، نفس علی ہذا، کہتا ہے:-

”اسکی گنہ سمجھ لے اے نادان، یہ سبب علاقہ روح سبزہ زار دنیا کی سیر کو آتی ہے، جب تک یہ مرج طلسم عناصر اس کے گلے میں پڑا ہے، اور نفس وجود میں طوق بندگی اسکا گلوگیر ہے، چشم ظاہر میں مشت خاک کے سوا کچھ نہیں دیکھتی، جس دن یہ طلسم ٹوٹ گیا، کیفیت اسکی کہل جائیگی کہ وہ کون ہے، اور یہ نیزنگ کیا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ جب لوگ آئینگے، اس حال سے آگاہ ہونگے، وجود مطلق ایک دریا ہی اور ہر موجود مثل حباب ہے، جب حباب سے ہوا نکل گئی، دریا کے سوا کچھ نہیں پس ماند سے دیکھ کہ اصل ہستی دریا کی ہے، لیکن فرق مرتبہ کا اللہ ہے، حباب کو کوئی دریا نہ کہیگا اور دریا کو حباب اور کعبہ کو قبلہ کہتے ہیں، اور تبخانہ کو کنشت جہنم کو دوزخ اور جنت کو بہشت، ہر مرتبہ میں اور ہی حکم وجود ہے زندیق ہی جو حفظ مراتب کرے نہ کو

واقعی مسئلہ وحدت وجود کا مشکل ترین مسائل ہے، اور بہتر ہے اس بحر عمیق میں گر کے مذہب جبری کے بھنور میں جا پڑے، اور اکثر مسلک دہری کے گرداب میں ڈوبے ہادی بیان فضل الہی اور کرم رسالت پناہی کے سوا کوئی نہیں“ (صفحہ ۸۹)

قصہ گل بکا دلی کا اخلاقی حیثیت سے مشرقی لٹریچر میں کوئی درجہ نہیں، اور اگر ہے

حقیقت علم

(منہج)

ان دونوں کیفیتوں کی حقیقت پر بحث کرتے وقت سب سے پہلے ہمیں یہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ جس تصور میں جو سب سے اہم فرق ہو وہ یہ ہے کہ جس کا شمار ان کیفیات نفسیہ میں ہے جن کا وجود اس وقت ہوتا ہے جب کسی خارجی مہیج سے ہمارا حواس متاثر ہوتا ہے بخلاف تصور کے کہ اس کی پیدائش کے لیے کسی خارجی مہیج کے تہیج و تاثیر کی حاجت نہیں ہوتی اسی وجہ سے ہم نے شروع مضمون میں یہ بات بتادی تھی کہ حیات و ادراکات کو الگ الگ نوع شمار کرنا چاہیے حیات کی پیدائش مہیج خارجی سے ہوتی ہے اور تصور کی پیدائش کو العت نفسانی کی اندر دنی ترتیب سے لیکن اس فرق کے علاوہ جس تصور میں بڑا فرق جو ہے وہ یہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے جو ادراک نفس کو حاصل ہوتا ہے وہ اس قدر قوی اور اس قدر واضح ہوتا ہے کہ نفس کو ادراک کرنے میں نہ کسی واسطہ کی حاجت ہوتی ہے اور نہ نفس کو ادھین کچھ دشواری پیش آتی ہے بخلاف تصورات کے کہ ان کے ذریعہ سے نفس کو جو ادراک حاصل ہوتا ہے وہ محسوسات کی طرح قوی اور واضح نہیں ہوتا یہ بہت صاف بات ہے کہ جب ہم آگ کو چھو کر جلن محسوس کرتے ہیں تو یہ جلن کا احساس اتنا قوی ہوتا ہے کہ ہم بتیاب ہو کر فوراً اپنا ہاتھ آگ پر سے اٹھا لیتے ہیں بخلاف اسکے اگر ہم اس جلن کا تصور کریں تو اس تصور سے گو ہم کو اس جلن کا ادراک تو ہو جاتا ہے مگر نہ تو اس جلن سے ہمارے کسی جسمانی عضو یا خود نفس کو کوئی تکلیف محسوس ہوتی ہے اور نہ ہم اس تصور کے ذریعہ سے اس تکلیف کا پورا اندازہ کر سکتے ہیں جو آگ کو چھوتے وقت ہمارے ہونے لگی اسی طرح مثلاً اگر ہم غصہ کریں اور پھر حالت سکون میں غصہ کی اس کیفیت کا تصور

تو دی: جو انگریزی لٹریچر میں ریٹالڈز کے ناولوں کا ہے، با این ہمہ اسکا ایک ایک ورق ریٹالڈز کے ہینن بلکہ شکسپیر وٹسلا کے دفتر تصانیف پر بہاری ہے، اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ رومی و غزالی، سعدی و حافظ کے مقابلہ میں لائے کے لئے مغرب کو اپنے کسی فرزند کے نام تلاش کرنے میں کیسی سخت وقت پڑیگی، ایسی حالت میں اگر یورپ میں ڈارون پیدا ہوں اور ایشیا میں منصور، تو حیرت نہ کرنا چاہیے، اوہر قوت اجتہاد و اکتشاف کا منہا ہے کمال یہ ہے کہ "انسان فی الاصل بندر ہے" اور ادھر منہا ہے از خود رنگی و بد منی میں بھی یہ صدا نکلتی ہے کہ "انسان فی الاصل خدا ہے"

کرین تو ان دونوں حالتوں میں ہکو باعتبار شدت و ضعف بڑا محسوس فرق ہوتا ہے گو ممکن ہے کہ ہم اپنے تصور میں اپنے حس کی پوری پوری نقل اتار لیں لیکن باوجود سخت کوشش کے یہ ناممکن ہے کہ اصل کو نقل سے شدت و ضعف میں کوئی معمولی مناسبت پیدا ہو، البتہ اگر نظام دماغی میں کسی خاص سبب اختلال پیدا ہو گیا ہے تو اس وقت یہ بیشک ممکن ہے کہ انسان اپنے تصور سے ہی اسی شدت کے ساتھ اثر پذیر ہو جس شدت سے کہ وہ اپنے حس سے اثر پذیر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے نظام دماغی میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے وہ اکثر ایک معمولی تصور سے بھی ہيجان میں آ جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات یہ ہيجان شدت و قوت میں اس ہيجان سے بڑھا ہوا ہوتا ہے جو اصلی واقعہ سے انکی طبیعت میں پیدا ہوا تھا۔

ان دو فرقوں کے علاوہ حس و تصور میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ حس حاسہ کے سامنے سے شئی خارجی کے ہٹنے ہی معدوم ہو جاتا ہے مگر تصور اسکے خلاف مدتوں باقی رہتا ہے بلکہ بعض اوقات تصور کی شدت اثر میں اسکی مدت قیام سے نمایاں فرق پیدا ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ وہ تصورات جو دیر پا ہوتے ہیں اپنی مدت قیام کی وجہ سے زیادہ شدید الاثر ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ زیادہ دیر تک باقی رہنے والے تصورات سے انسان کی جسمانی اور دماغی تندرستی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔

غرض حس و تصور کے باہمی فرق حسب ذیل نوعیت کے ہوتے ہیں جنکو ہم دفعات ذیل میں ترتیب دیکھتے ہیں۔

(۱) اختلاف نوعیت۔ یعنی یہ کہ حس ایک خاص نوع کے ادراک کا نام ہے اور تصور ایک دوسری نوع کا ادراک ہے جو حس سے مختلف ہے۔

(۲) قوت و ضعف یعنی حس قوی الاثر ادراک کو کہتے ہیں اور تصور ضعیف الاثر ادراک کو۔
(۳) اختلاف مدت قیام۔ یعنی دونوں کی مدت قیام میں بڑا تفاوت ہوتا ہے حس ناپائدار اور تصور پائدار ہوتا ہے۔

یہ تین قسم کے مجموعی فرق ہیں جو تصور اور حس میں پائے جاتے ہیں ممکن ہے کہ ان دونوں کیفیتوں میں اور بھی نفسانی فرق ہوں لیکن نفسانی نقطہ نظر سے انہی فرق کو نہایت حال ہو (۲۹) تصور کی وسعت و درجہ کے حدود لیکن ان فروق کے علاوہ تصور اور حس کے مابین ایک فرق یہ بھی ہے کہ احساسات گوشتیہ نہیں مگر تنہا ہی ہیں بخلاف تصورات کے کہ وہ غیر تنہا ہی ہیں احساسات کی تحدید کی متعلق فلاسفہ نے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ جو احساسات جس صنف ذی حیات کی حیانت حیات میں معین ہوتے ہیں وہ اس صنف کو عطا کیے گئے ہیں ایسا ایسا اصول ہے جسکے مطابق حیات کی طرح ہر صنف ذی حیات کے حواس کی تحدید کا معیار بھی معلوم ہو سکتا ہے انسان کو سات حواس دیے گئے ہیں کیونکہ ان حواس سے زیادہ اور کسی حاسہ کی انسان کو ضرورت نہ تھی لیکن ممکن ہے کہ ہمارے علاوہ کوئی مخلوق ایسی ہو جو اپنے ضروریات حیات کی بناء پر ہم سے زیادہ اور ہم سے قوی حواس کی مالک ہو غرض یہ حیات اور حواس کی تحدید کا ایک معیار اور اصول ہے جو استقرار سے ہکو معلوم ہوا ہے لیکن تصورات کی تحدید میں یہ اصول بالکل نہیں چل سکتا اور اس بناء پر تصورات انسانی کی تحدید بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ انکا تعلق انسان کی حیانت حیات کے ساتھ ویسا گھڑ نہیں ہے جیسا احساس کا ہے یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ تصورات غیر تنہا ہی ہیں۔

۱۔ تصور جس کے نفسانی فروق کی مزید تفصیل کے لیے دیکھو اسپنسر کی کتاب "اصول دل و لید" کی جلد اول حصہ دوم کا باب دوم اور اسکی دوسری کتاب "اصول علم النفس" ۱۲

لیکن اس لائقہ ہی کے علاوہ تصورات میں یہ بھی ایک عجیب صفت پائی جاتی ہے کہ انکی قوت بے پناہ اور زبردست ہوا کرتی ہے یعنی تصور ایک ایسی طاقت ہے جو عجیب عجیب و تناقض سے تناقض اشیا کو پیدا کر سکتی ہے وہ ہمو ایک جسم زمین سے آسمان پر چڑھا لجا سکتی ہے دم کے دم میں ہم اپنے تصور کے ذریعہ سے لامکان اور عالم ملکوت کی سیر کر سکتے ہیں۔ تحت الثری کی بے پایان پستی اور فضا کی لائقہ ہی بلندی تصور کے آگے بچھ ہیں صرف ہیقت نہیں بلکہ ہم تصور کے ذریعہ سے عالم کے اوس حصہ تک بھی پہنچ سکتے ہیں جہاں قانون قدرت کا بھی گزر نہیں ہو سکتا اور جہاں کارخانہ قدرت تتر بتر نظر آتا ہے پھر اسکے علاوہ ہم اپنے تصور کے ذریعہ سے خود اس عالم میں بھی عجیب عجیب تصرفات کر سکتے ہیں تصور کے تصرف کی ایک سادہ مثال جس سے شاید کسی کو انکار نہ ہو یہ ہے کہ ہم اپنے تصور کے ذریعہ سے اپنی جسمانی بیماریوں کو بعض اوقات دفع کر سکتے اور بعض اوقات اپنے تئیں بیمار ڈال سکتے ہیں تصور کا تصرف ہماری جسمانی حالت پر اکثر ہوا کرتا ہے رعب و خوف اور دیگر کیفیات نفسیہ کی پیدائش کے وقت ہمارے جسم میں جو بعض تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں انکی توجیہ تصور کے تصرف کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے ؟

غرض ہماری ذہنی دنیا بلکہ ہماری حیات کا ایک ایک لمحہ تصور کے تصرفات کی شہادت دیتا ہے یہاں تک کہ ہماری مسرت اور ہماری الم میں بھی ہمارے تصور کو بڑی مداخلت ہوتی ہے مظاہر کائنات اور عالم کی برقمونی انسان کے تصور پر اپنا اثر کرتی ہے اور اس اثر کی وجہ سے ہمارے تصور میں بھی برقمونی پیدا ہو جاتی ہے ابھی ہم رنجیدہ تھے کہ ہمارے سامنے ایک ایسا واقعہ گذرا جس پر ہم کھلکھلا کر ہنس پڑے اس طرح کے واقعات ہماری زندگی میں اکثر پیش آتے ہیں لیکن یہ صرف اس واقعہ کا ایک پہلو ہے حقیقت یہ ہے کہ جسطرح واقعات عالم

ہمارے تصور پر اثر کرتے ہیں اسی طرح دوسرا جوابی اثر ہمارے تصور کا بھی واقعات علم پر ہوتا ہے یہ ہمارے تصور ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ ہم جس رنگ میں واقعات کو دیکھتے ہیں ان واقعات سے اسی قسم کا اثر ہمارے نفس پر مرتب ہوتا ہے مسرت و الم دراصل نفسانی کیفیتیں ہیں عالم کی کوئی چیز نہ اپنے اندر سامان مسرت پنہان رکھتی ہے اور نہ سامان الم ہے صرف ہمارا تصور ہی ہے جو عالم کی اشیا کو ان دو مختلف رنگوں میں ہمارے سامنے پیش کیا کرتا ہے ہم جس چیز سے جو اثر حاصل کرینگے اسی اثر کے رنگ میں ہمو وہ چیز رنگی ہوئی نظر آئیگی پس عالم کی برقمونی اور کائنات کے متنوع حالات کے اندر زندگی بسر کرتے ہوئے انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے تصور پر قابو رکھے اور اپنے تصور کو مطلق العنان نہ چھوڑے انسان اپنی سعادت اپنے باہر ناحق ڈھونڈھتا ہے حالانکہ اسکی سعادت خود اس کے اندر موجود ہے انسان اپنی راحت و عیش کے سامان دنیا کی چیزوں میں ناحق تلاش کرتا ہے حالانکہ تمام حظوظ دالام اور تمام نیکیوں اور برائیوں کا سرچشمہ خود انسان کا تصور ہے۔ غرض تصور ایک عجیب طاقت ہے جو انسان کو عطا کی گئی ہے دنیا کی تمام چیزیں اس طاقت کے ذریعہ سے انسان کے قبضہ میں آ جاتی ہیں اور انسان کی زندگی کا ہر لمحہ تصور کی ہمہ گیری اور اسکی عالمگیر وسعت و قوت کی شہادت دیتا ہے انسان کے ان روزمرہ حالات کے علاوہ انسان کی داغی ترقی میں بھی تصور کا بڑا اثر ہوتا ہے تم ایک ایسے عالم کا اپنے ذہن میں تصور کرو جو ارضی و سماوی اشیا کے حالات و خواص کا علم رکھتا ہے اور اپنے اس علم سے خلق اللہ کو نفع پہونچاتا ہے پھر اسکے مقابل تم افریقہ کے اس وحشی کو دیکھو جسکا ذہن اپنی اس پاس کی چیزوں سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے ان دونوں میں تمکو نمایان فرق نظر آئیگا پھر اسکے علاوہ اگر تصور کی طاقت انسان کے قبضہ

میں ہوتی تو غالباً انسان تہذیب و تمدن میں اتنی عظیم الشان ترقی کبھی نہ حاصل کر سکتا جو
 آج اسے حاصل کر لی ہے دنیا کا کوئی علم و فن ایسا نہیں جس میں تخیل کی حاجت نہ پڑتی ہو
 شاعری، لٹریچر، فنون لطیفہ، تاریخ، فسانہ نگاری، مذہبی ترغیب و ترہیب، منطق، فلسفہ،
 سائنس، کیمسٹری، علم النبات، علم طب، غرض دنیا کا کوئی علم و فن ایسا نہیں جو تصور و
 تخیل سے بے نیاز ہو عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ سائنس و فلسفہ یعنی علوم ذہنیہ تخیل سے بے نیاز
 ہیں اور تخیل کی حاجت صرف شاعری اور فسانہ نگاری میں ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے
 کہ اگر ارسطو قوت تخیل سے کام نہ لیتا تو وہ منطق کے اصول کبھی مرتب نہیں کر سکتا تھا
 سرانجام نیوٹن کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک روز وہ اپنے باغ میں سیر کر رہا تھا اوس نے
 دیکھا کہ ایک پھل ایک درخت سے ٹوٹ کر زمین پر آ رہا بظاہر کچھ یہ واقعہ عجیب نہ تھا لیکن
 فوراً اس کے ذہن میں یہ واقعہ دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ تمام چیزیں زمین
 کی جانب مائل ہوتی ہیں ایک ڈھیلے کو اگر تم اچھا لو تو وہ اوپر جانے کے بجائے زمین پر
 آ رہے گا یہ خیال آتے ہی اس نے فوراً جذب و کش کے مسئلہ کی تحقیقات شروع کر دی دراصل
 یہ تخیل کا اثر تھا جس کے باعث اس کے ذہن کو ایک معمولی جزئی واقعہ کے دیکھنے سے اس حیرت انگیز
 مسئلہ کی جانب متبادر ہوا جس نے طبیعیات میں انقلاب پیدا کر دیا حاصل یہ کہ تصور کی قوت
 انسان کی نفسانی اور جسمانی زندگی میں حیرت انگیز اثر کرتی ہے اور یہی قوت ہے جو حقیقت
 استدلال، نظر و فکر، استقرار اور تجربہ کی بنیاد ہے۔ اور اس قوت سے انسان کبھی بے نیاز
 نہیں ہو سکتا۔

لیکن اس ساری تقریر کا تعلق صرف اس حقیقت کے اثباتی پہلو کے ساتھ ہے اور
 حاد قیام ہم اس حقیقت کے منفی پہلو پر بھی نظر ڈال لیں اس وقت تک تصور کی وسعت کے

بارے میں ہمارا فیصلہ نامکمل رہیگا حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی شے غیر تنہا ہی نہیں ہو سکتی
 اور کارخانہ قدرت میں لاتنا ہی کی کوئی مثال نظر نہیں آتی اور اس بنا پر باوجود تصور کی
 اتنی زبردست قوت کی یہ ضروری ہے کہ اس کی کوئی حد و انتہا بھی ہو اس مسئلہ کے منفی پہلو پر
 اسی حد و انتہا کا پتہ لگتا ہے اور اس لیے ہم اس حقیقت کے دونوں پہلوؤں پر نظر ڈالنا
 چاہیے تاکہ واقعہ کے دونوں رخ ہماری نگاہ کے سامنے آجائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ گو ہم اپنے تصور کے ذریعہ سے ان دیکھی چیزوں کو دیکھتے اور ان گنت
 چیزوں کو پیدا کر لیتے ہیں لیکن تصور کی اتنی وسعت و ہمہ گیری کا خیال ہی مبالغہ سے خالی
 نہیں ہے اگرچہ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کو نہ دیکھا اور نہ کبھی سنا ہے اور باوجود اسکے
 ہم برابر انکا تصور کرتے ہیں ہم نے لٹن گوئڈ وین دیکھا مگر اپنے ذہن میں ان واقعات و حالات
 کی بنا پر جو ہم نے کتابوں میں پڑھے اور دوسروں سے سنے ہیں اسکا تصور کر سکتے ہیں لیکن
 حقیقت یہ ہے کہ اگر زیادہ غور سے دیکھو تو نظر آئیگا کہ ہمارے تمام تصورات کی بنیاد اس
 کسی نہ کسی حاسہ کی کسی نہ کسی شہادت پر ہو کر تی ہے اور ایسی چیزیں جو خود ہمارے یا ہمارے ہی
 ایسے کسی دوسرے ذی حس و دماغ کے تجربہ حسی میں نہیں آتیں ان کا ہم تصور ہی نہیں کر سکتے ہیں
 چھوٹے بچے یا ادول لوگوں کو دیکھو جنہیں لذت جلاع کا تجربہ حسی نہیں ہوا ان کے ذہن میں
 کبھی اسکا ادنیٰ تصور بھی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ راقم حروف کا اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ اسکے ذہن
 میں کبھی ان چیزوں کا تصور نہیں پیدا ہوتا جو اسکے تجربہ حسی (جس میں سماعت بصارت اور
 تمام حواس کا تجربہ شامل ہے) کے تحت میں کبھی نہیں آئیں یہ نظر یہ چونکہ معرکہ الارا ہے
 اس لیے اپنے باطن کی شہادت اور مطالعہ ذہن سے قطع نظر کر کے ہم مندرجہ ذیل دلائل بھی
 اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں کبھی

اور چیز کا تصور نہیں پیدا ہو سکتا جس کا تجربہ حسی اور سکو کبھی نہیں ہوا ہے اس دعویٰ پر ہمارے پاس پہلی دلیل یہ ہے کہ

(۱) انسان کے جتنے تصورات ہوتے ہیں باطن سے لیکر مرکب اور پیچیدہ تصورات تک ان سب کی تحلیل اگر کی جائے تو انکی انتہا حیات پر ہوتی ہے اور ہکوانکی تحلیل کرنے سے نظر آتا ہے کہ ان تصورات کی پیدائش کی باعث چند حسی کیفیات نفسیہ ہیں جو پہلے ذہن میں پیدا ہو چکی ہیں اس نفسانی اصول کی ایک سادہ مثال ہم نے کیفیت حس کے تفریحات کے ضمن میں یہ دی تھی کہ مثلاً ایک کلیہ یہ ہے کہ اجتماع صندین محال ہے ظاہر ہے کہ یہ علم

انسان کو کسی حاسہ سے حاصل نہیں ہوتا یہ علم نہ ہننے قوت باصرہ سے حاصل کیا ہے اور نہ قوت سامعہ اور نہ کسی اور حاسہ سے اور اس بنا پر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ علم اپنی پیدائش میں حیات مابین کا محتاج نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس علم کی بنا پر ہی بسیط احساسات پر ہے اور اگر یہ احساسات ہمیں نہ حاصل ہو چکے ہوتے تو یہ علم ہکوکبھی نہیں حاصل ہو سکتا تھا دیکھو ہمارا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ ہم نے کبھی شیرینی کو تلخی کے ساتھ، پستی کو بلندی کے ساتھ، خوشبو کو بدبو کے ساتھ، اور سیاہ رنگ کو سپید رنگ کے ساتھ، جمع ہوتے نہیں دیکھا اور ہمارے تجربہ حسی میں کبھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ دو متباہن کیفیتیں جن کا ادراک ہمیں مختلف حواس سے ہوتا ہے یکجا جمع ہوتی ہوں اس بنا پر ہم نے ان مختلف حیات اور تجربات کو ایک کلیہ کے تحت میں لا کر ان سب کیفیات کے لیے بحیثیت مجموعی یہ حکم ثابت کر دیا کہ اجتماع صندین محال ہے۔ بسیط مثلاً اقلیدس کے جتنے علوم متعارفہ ہیں وہ بھی تحلیل ہو کر حیات ہی پر آکر ٹھہرتے ہیں مثلاً یہ ایک علوم متعارفہ ہے کہ ہر کل اپنے جز سے بڑا ہوتا ہے۔ اس قضیہ کے متعلق ہی یہ خیال ہوتا ہے کہ اسکا ادراک کسی حاسہ سے نہیں ہوتا حالانکہ واقعہ یہ

کہ اس قضیہ میں کل کے لیے عظمت کا جو حکم ہننے ثابت کیا ہے وہ درحقیقت کل کے تصور کا ایک جز ہے کل کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو جز سے بڑا ہو پس دراصل عظمت کل کی حقیقت سے خارج نہیں ہے اور کل جز کا تصور ہکوانے تجربہ حسی کی بنا پر ہوا ہے وہ دو خطوط مستقیمہ جنہیں سے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو ہم اپنے سامنے کسی سطح پر کھینچ کر کل کی عظمت اور جز کی اصغریت کا تجربہ حسی ہر وقت کر سکتے ہیں اور اس قسم کی چھوٹی بڑی چیزیں جو ہمارے ذہن میں اس تصور کی پیدائش کی باعث ہوتی ہیں انکا تجربہ حسی ہیں اکثر اپنی روزانہ زندگی میں ہوتا رہتا ہے۔

اسی طرح وہ تمام امور غائبہ جنکا تجربہ حسی بظاہر ہکوانے روزانہ زندگی میں نہیں ہوتا انپر بھی ہم محض اسوجہ سے ایمان رکھتے ہیں کہ ہمیں انکا خود یا انکے نظیر کا تجربہ کسی نہ کسی رنگ میں اپنی روزانہ زندگی میں ہوتا رہتا ہے اور اگر ہمیں انکا تجربہ نہ ہوا ہوتا تو کبھی انکا تصور ہمارے ذہن میں نہیں پیدا ہو سکتا تھا ان تصورات کی بھی تحلیل قوت کی جاتی ہے تو انکی بھی انتہا تجربہ حسی پر ہوتی ہے خدا کی ذات و صفات پر ہم اسوجہ سے ایمان رکھتے ہیں کہ ان صفات کو ہم خود اپنے اندر پاتے ہیں اور اسی مثال اور نمونہ کو پیش نظر رکھ کر ہم ایک ایسی ذات کا تصور کرتے ہیں جو تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ خدا قدیر ہے یہ خیال ہمارے ذہن میں کیوں پیدا ہوتا ہے محض اس لیے کہ ہم خود اپنے اندر قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اپنے تئیں اس صفت سے متصف پاتے ہیں اور قدرت کے اسی نامکمل نمونہ کو پیش نظر رکھ کر ہم ایک ایسی ذات کا تصور کرتے ہیں جسکی قدرت ہم سے ارفع اور بالاتر ہوتی ہے حاصل یہ کہ ہم مثلاً خدا کے اوصاف پر محض اس لیے ایمان رکھتے ہیں کہ ان صفات کے ادنیٰ نامکمل نمونے کا ہم خود اپنی ذات کے اندر

سلطنت اسلام کا خراج

انتہائے عروج کے زمانہ میں

(انپرنسیر جمیل الرحمن ایم۔ اے، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

کسی سلطنت کے محصول اور اخفی (خراج) کے اعداد و شمار اگر معلوم ہو سکیں تو ان سے دو باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اول تو اس بات کا تقریباً صحیح اندازہ لگ جاتا ہے کہ سلطنت کے ذرائع آمدنی کیا تھے اور دوسرے اس سے ملک کی زرعتی حالت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ان دونوں باتوں کے معلوم ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی خوشحالی یا مفلسی کا حال کھل جاتا ہے۔ کسی قوم کے ذرائع آمدنی اور اسکے کارناموں کا دار و مدار تمام تر اسکی آزادی پر ہوتا ہے۔ اگر ہم کو کسی ملک کے مختلف زمانے کے محاصل اور اخفی کے اعداد و شمار کا پتہ لگ سکے تو ہم نہایت آسانی سے آئی حکومت کی پالیسی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ آیا انکے حکمرانوں نے ملک کی فلاح و بہبود میں اتنا حصہ لیا جتنا کہ لینا چاہیے تھا یا نہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ باوجود اسکے کہ سلطنت بالکل برباد ہو چکی ہو، شاہی دربار کے تزک و احتشام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور چونکہ مورخ عام طور پر ملک کی خوشحالی یا افلاس کا اندازہ شاہی دربار سے کیا کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیشہ غلطی ہوتی ہے۔ اور اس بات کا صحیح اندازہ نہیں لگ سکتا۔ یومی چارتم شاہ فرانس کے زمانے میں ایسی ہی غلطی ہوئی تھی،

ہم اسے خیال میں یہ بالکل غیر ضروری ہے کہ ہم خلافت عباسیہ کے خراج کی اہمیت کو ظاہر کریں۔ انکی خلافت زمانہ وسطی اور زمانہ جدید کے درمیان کا وقت ہے۔ اور اسی وجہ سے انکے خراج سے ہم کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ مالک جو آجکل بالکل ویران اور برباد

مشاہدہ کرتے ہیں اور اس نامکمل نمونے کے مشابہہ سے ہمارے ذہن میں مکمل اوصاف تصور پیدا ہوتا ہے لیکن اگر ہم ان اوصاف کا اپنی ذات کے اندر مشاہدہ نکرتے ہوئے تو ایک ایسی آن دیکھی ذات کا تصور جو تمام اوصاف کی جامع ہو، ہمارے ذہن میں کبھی نہ پیدا ہوتا ہی تمام مثالیں ہیں جسے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بسیط تصورات سے لیکر مرکب تصورات تک کبھی ہمارے ذہن میں اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے جب تک دجہ خارجی میں کسی نہ کسی رنگ میں انکا تجربہ حسی ہو نہ ہو لیکن ان مثالوں کے علاوہ ادراکات کی بعض مثالیں ایسی ہیں جنکے متعلق بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکی تحلیل کرنے سے انکی انتہا حیات پر نہیں ہوتی اور جو بظاہر اس کلیہ سے مستثنیٰ نظر آتی ہیں کہ تمام تصورات اپنی پیدائش میں اپنے احساسات، سبقت کے محتاج ہوتے ہیں انہیں مثالوں کو دیکھ کر بعض فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ بعض اشیاء ایسی ہیں جنکا ادراک ہمیں اپنے حواس سے نہیں ہوتا بلکہ یہ ادراکات ہر خدا کی طرف سے عطا ہوتے ہیں اس قسم کے ادراکات کی تحدید فلاسفہ نے کلیت اور وجوب کے ادراکات میں کی ہے یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ اپنی روزانہ زندگی میں ہمارے حواس کے سامنے سے کبھی وجوب اور کلیت کی مثالیں نہیں گذرتیں اور اس بناء پر وجوب و کلیت کے ادراکات ان فلاسفہ کے نزدیک تجربہ حسی سے بالا اور محض خدا کے عطا کردہ ہیں۔ (باقی آئندہ)

پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے زمانے میں کس درجہ شاداب اور سرسبز تھے۔ اور اگر کوشش کی جائے تو پھر ویسے ہی سرسبز اور شاداب ہو سکتے ہیں،

عربوں نے سلطنت قائم کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ محاصل سلطنت کی طرف خاص توجہ کی اور اسکو تقریباً علم ادب کا ایک حصہ بنادیا۔ دوسری صدی ہجری کے آخر یا تیسری صدی کے شروع ہی میں مختلف بڑے بڑے شہروں کے متعلق ایسی کتابیں موجود تھیں جو گاڑ کا کام دے سکیں۔ ان میں ان شہروں کے اور عجائبات کے علاوہ ان کے محاصل ارضی، کارخانجات، پیداوار، جہازوں کی آمد و رفت وغیرہ کا مکمل حال لجا تا تھا اس قسم کی ایک کتاب (کتاب البصرۃ) عمر ابن شیبہ نے بصرہ کے متعلق لکھی تھی۔ ابن حوقل کا بیان ہے کہ ایسے گاڑ کہ اور کوفہ کے متعلق بھی دستیاب ہوتے تھے۔ اور مشرق و مغرب میں عام طور پر لوگ انکو استعمال کرتے تھے۔

حضرت سرور کائنات کی وفات کے بعد جب عربوں نے اپنے رگستانوں سے نکل کر بردنی مالک پر فوج کشی شروع کی تو وہ حملہ کرنے سے پہلے ہمیشہ اپنے دشمنوں کے سامنے تین شرطیں پیش کیا کرتے تھے۔ (۱) یہ کہ مسلمان ہو جائیں۔ اس صورت میں ان کے حقوق عربوں کے برابر ہو جاتے تھے۔ اور ہر قسم کی تفریق اٹھ جاتی تھی۔ (۲) یا جزیہ اور خراج دینا قبول کریں یعنی بغیر ٹپے اطاعت قبول کر لیں۔ اور اگر یہ بھی منظور نہ تو (۳) لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ تیسری حالت میں تمام مفتوحہ آبادی اور انکا مال و متاع مسلمانوں کی غنیمت شمار ہوتا تھا۔ اور وہ ان کے مالک ہو جاتے تھے۔ مگر عام طور پر ان مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا برا سلوک نہیں کیا جاتا تھا جس کے کہ وہ مستحق تھے۔ ان کے مردوں کو قتل نہ کیا جاتا تھا۔ اور

۱۔ کتاب المساکت الممالک۔ لابی القاسم ابن حوقل۔ مطبوعہ لیڈن۔ صفحہ ۱۶۲۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶

(۱۲۵) فرسنگ اور عرض حُلوان سے عُذَیْب تک (۸۰) فرسنگ تھا۔ اس طرح اس علاقے کا رقبہ (۳۶۰۰۰۰۰) جریب تھا۔ ہر جریب پر جس میں گندم کاشت ہو (۴) درہم خراج لگایا گیا جو پرفی جریب (۲) درہم کھجور پر (۸) درہم ایسے باغوں پر جنگی زمین کاشت نہوتی ہو (۶) درہم فی جریب اور دیگر سبزیوں اور ترکاری پر (۶) درہم فی جریب خراج مقرر کیا گیا۔ گھاس پر اور ایسی چیزوں پر جو جلد خراب ہو جائیں خراج نہیں لگایا جاتا تھا۔ دیگر اشیاء پر بھی اسی وقت خراج لگایا جاتا تھا جبکہ زمین کی پیداوار کم از کم (۱۸) سیر ہو۔ اگر زمین قابل کاشت نہ تو مالک زمین خراج ادا نہ کرتا تھا۔ اگر آب پاشی بذریعہ انہار کی گئی ہو تو نصف خراج لیا جاتا تھا۔

یہ تھے مختصر اہل اصول جو حضرت عمرؓ نے سواد کے لیے مقرر کیے۔ اور چونکہ آئندہ ان ہی اصولوں پر عمل درآمد ہوتا رہا۔ اس لیے ان پر غور کرنے سے آئندہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکومت کو کسی قسم کا ٹیکس ادا نہ کرتے تھے۔ بلکہ صرف زکوٰۃ اور مال کی درآمد اور برآمد پر محصول ادا کرتے تھے۔ جو عام طور پر قیمت کا چالیسواں حصہ ہوتا تھا یہ مال مسلمان قیدیوں کو آزادی دلانے۔ غریبوں کی مدد۔ شرکون کی مرمت۔ اور ابناء السبیل کے زادراہ کے انتظام کرنے میں کام آتا تھا۔ خمس کا تیسرا حصہ بھی اسی طرح صرف ہوتا تھا اور باقی ماندہ دو حصہ خلیفہ کا حق سمجھا جاتا تھا۔

حکومت اور فوج کا تمام خرچ ذمی برداشت کرتے تھے۔ فوج کے سپاہیوں کو باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی بلکہ مال غنیمت کے ایک حصہ کے وہ حقدار سمجھے جاتے تھے۔ اور اسکے علاوہ وہ زمینیں جو مال غنیمت سمجھی جاتی تھیں ان میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ یہ زمینیں قطائع کہلاتی تھیں۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود ذمی زیادہ سے زیادہ ٹیکس کی رقم صرف

خراج ہی ادا کرتے تھے۔ جو بعض اوقات پیداوار (۵۰) فی صدی حصہ ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اس تمام مالی انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو مسلمان دیگر فکروں سے آزاد ہو کر تمام تر جنگ و جدل میں مشغول ہو گئے۔ اور دوسری طرف خلفاء فتوحات کی طرف مائل ہوئے کیونکہ یہی ایک صورت تھی جس سے وہ اپنے خراج اور آمدنی میں اضافہ کر سکتے تھے۔ مگر فوج میں زمینوں کی تقسیم اور جزیہ کی رقم کی زیادتی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں عام طور پر رستہ پرستی اور کاہلی پیدا ہو گئی۔ اور خلفاء جو پہلے محض عامل و ناظر تھے بالکل خود مختار ہو گئے۔ انہوں نے آخر میں صدقات اور زکوٰۃ کو بھی اپنا مال سمجھ لیا۔ اور مسلمانوں اور ذمیوں میں محصل کا فرق اٹھ گیا۔ اس وقت سے تمام محاصل خواہ وہ خراج ہو۔ یا دیگر ذرائع سے وصول ہوئے ہوں جبا یہ کہلانے لگے۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے ”جون جون عیش و عشرت بڑھتی گئی۔ حکومت اور اسکے ملازمین کی ضرورتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ مگر کام کرنے کا سلیقہ جاتا رہا۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہوا کہ زیادہ آدمی نوکر رکھے جائیں۔ اور انکو معقول تنخواہیں دی جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محاصل بڑھانے پڑے۔ یہاں تک کہ زمین کے مالک اور ان کے کاشتکار انہیں ادا نہ کر سکے جس کی وجہ سے امن امان میں ہمیشہ فتنہ پڑا رہا“ بقول ابن خلدون مامون کے زمانے ہی میں خراج اور صدقات کا فرق جاتا رہا تھا۔ اور تمام محصول کو جبا یہ ہی کہنے لگے تھے۔

اب ہم سواد کے خراج کے اعداد و شمار نقل کرتے ہیں۔ یہ اعداد سن ۲۰۰ھ کے دیوان الخراج سے ماخوذ ہیں۔ یہی وہ تاریخ ہے جس کے اعداد بالتفصیل ہم کو معلوم ہیں۔ کیونکہ

لہ نبذ من کتاب الخراج وصنعة الكتابة لابی الفرج قد امته بن جعفر لکھا
البغدادی مصححہ ڈی غویہ مطبوعہ لیدن ۱۸۸۹ء۔ صفحہ ۲۳۶،

اس سے پہلے اعداد امین الرشید کے قتل کے وقت ۱۹۸ھ میں بغداد کے فتنہ و فساد میں
جلا دیے گئے ان اعداد سے اس علاقے کی خوشحالی اور شادابی پورے طور پر واضح ہو جائیگی

سواد - الجانب الغربی

نام علاقہ تعداد درہم تعداد انبار گز گندم گز جو مقدار درہم کیفیت

انبار	۵	۲۵۰	۲۳۰۰	۱۲۰۰	۱۵۰۰۰	گندم (۱۱۸۰۰) گز جو (۶۳۰۰) درہم
مسکن	۶	۱۵۰	۲۰۰۰	۱۰۰۰	۱۵۰۰۰	گندم (۳۰۰۰۰) درہم
قطر بل	۱۰	۲۲۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۲۰۰۰۰	گندم (۲۰۰۰) گز جو
بادوریا	۱۳	۴۲۰	۳۵۰۰	۱۰۰۰	۲۰۰۰۰	درہم (۳۰۰۰۰) گز جو
بحر سیر	۱۰	۲۴۰	۱۹۰۰	۱۴۰۰	۱۵۰۰۰	گندم (۱۴۰۰) گز جو
رومقان	۱۰	۲۴۰	۳۳۰۰	۳۳۰۰	۲۵۰۰۰	درہم
گوٹھ	۹	۲۱۰	۳۰۰۰	۲۰۰۰	۱۵۰۰۰	درہم (۳۵۰۰۰) گز جو
نہر د رقیط	۸	۱۲۵	۲۰۰۰	۲۰۰۰	۲۰۰۰۰	درہم
نہر جوہر	۱۰	۲۴۰	۱۴۰۰	۶۰۰۰	۱۵۰۰۰	گندم (۱۵۰۰) گز جو
کورۃ الزوالی	۱۲	۲۳۲	۱۳۰۰	۴۲۰۰	۲۵۰۰۰	درہم (۱۲۰۰) گز جو
بابل اور خطرینہ	۱۶	۳۴۸	۳۰۰۰	۵۰۰۰	۳۵۰۰۰	درہم
قلوۃ العلیا	۱۵	۲۴۰	۵۰۰	۵۰۰	۴۰۰۰۰	درہم

لہٰذا رغلہ کا ایک پیمانہ تھا اور عراق میں استعمال ہوتا تھا۔ ایک گز (۱۰۰) صاع کے برابر ہوتا تھا۔
اسے ابن خرداد بہ صفحہ ۱۸۰ + اسے کتاب الخراج - لقدامتہ ابن جعفر صفحہ ۲۳۰ + الخ

نام علاقہ تعداد درہم تعداد انبار گز گندم گز جو مقدار درہم کیفیت

قلوۃ السفلی	۶	۴۲	۲۰۰۰	۳۰۰۰	۲۸۰۰۰	درہم
نہرین	۳	۱۸۱	۳۰۰	۴۰۰	۲۵۰۰۰	درہم
عین التمر	۳	۱۳	۳۰۰	۴۰۰	۲۵۰۰۰	درہم
جبتہ والبکاتہ	۸	۴۱	۱۲۰۰	۱۶۰۰	۱۵۰۰۰	گندم (۱۵۰۰) گز جو
سوراء بدیسہ	۱۰	۲۶۵	۴۰۰	۲۳۰۰	۱۰۰۰۰۰	گندم (۱۵۰۰) گز جو - درہم (۲۵۰۰۰) گز جو
باروسما	۱۰	۴۴۳	۱۵۰۰	۲۵۰۰	۲۵۰۰۰۰	درہم
السلبین والوقوف	+	+	۵۰۰	۵۵۰۰	۵۰۱۰۰	درہم
فراک باد قلی	۱۶	۲۴۱	۲۰۰۰	۲۵۰۰	۹۰۰۰۰	درہم (۶۲۰۰۰) گز جو
سیلحین	+	۳۴	۱۰۰۰	۱۴۰۰	۱۴۰۰۰۰	گندم (۱۵۰۰) گز جو
وزستان	+	+	۵۰۰	۵۰۰۰	۱۰۰۰۰	درہم (۲۰۰۰۰) گز جو
ہرمز جرد	+	+	۵۰۰	۵۰۰۰	۱۰۰۰۰	درہم (۲۰۰۰۰) گز جو
لستر	۴	۱۴۳	۱۲۵۰	۲۰۰۰	۳۰۰۰۰	گندم (۲۲۰۰) گز جو
ایغار لقطین	+	+	۱۲۰۰	۲۰۰۰	۲۰۰۰۰	درہم (۲۰۰۰۰) گز جو
گسکر	+	+	۳۰۰۰	۲۰۰۰۰	۲۰۰۰۰	درہم (۲۴۰۰۰) گز جو

لہٰذا یہ بہت سے جائدادیں ہیں۔ جو مختلف علاقہ جات سے لیکر ایک علاقہ میں جمع کر دی گئی تھیں
بہتیت مجموعی یہ دو علاقوں کے رقبے سے بھی بڑی تھیں (ابن خرداد بہ صفحہ ۱۱۰)

لہٰذا اس میں نہر الصلۃ - بندقہ اور ریان شامل تھے۔ اسکی محاصل کی مقدار جس میں خراج اور تمام
دیگر محاصل ہیں (۴۰۰۰۰۰۰) درہم تھی۔ (ابن خرداد بہ صفحہ ۱۲۰)

سواد جانب لغربی

نام علاقہ	تعداد	تعداد باکند	کرگندم	کر جو	مقدار درہم	کیفیت
بزرگجا بوس	۹	۲۶۳	۲۵۰۰	۲۲۰۰	۳۰۰۰۰	
راڈا نین	۱۶	۳۶۲	۲۸۰۰	۲۸۰۰	۱۲۰۰۰۰	
نصر لوق	+	+	۲۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	
گلواڈی و خربین	۳	۲۲	۱۶۰۰	۱۵۰۰	۲۳۰۰۰۰	
جازرہ	۷	۱۱۶	۱۰۰۰	۱۵۰۰	۱۲۰۰۰۰ (۲۲۴۰۰۰) درہم	
مدینۃ العتیقہ	+	+	۱۰۰۰	۱۲۰۰	۱۶۰۰۰۰ (۲۲۶۰۰۰) درہم	
راؤستقباز	+	+	۱۰۰۰	۱۲۰۰	۱۶۰۰۰۰ (۲۲۶۰۰۰) درہم	
مہروز	+	+	۲۰۰۰	۲۵۰۰	۲۵۰۰۰۰ (۱۵۰۰) کر جو - اور	
سیل	+	+	۲۰۰۰	۲۵۰۰	۲۵۰۰۰۰ (۱۵۰۰۰) درہم	
جلوڈ	۵	۷۶	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	
جلٹا	۵	۷۶	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	
زببین	۲	۲۳۰	۷۰۰	۱۳۰۰	۲۰۰۰ (۱۹۰) کرگندم	
رسکرتہ	۷	۲۲	۲۰۰۰	۲۰۰۰	۷۰۰۰۰ (۱۸۰۰) کرگندم (۶۰۰۰) درہم	
بہراڑا لروز	۷	۸۶	۳۰۰۰	۵۵۰۰	۱۲۰۰۰۰ (۵۱۰۰) کر جو	
بند نیجین	۵	۵۴	۶۰۰	۵۰۰	۱۰۰۰۰۰ (۳۵۰۰۰) درہم	
بادرا یا	۷	۲۰۷	۲۷۰۰	۵۰۰۰	۳۲۰۰۰۰	
باکسا یا	۷	۲۰۷	۲۷۰۰	۵۰۰۰	۳۲۰۰۰۰	

نام علاقہ	تعداد	تعداد باکند	کرگندم	کر جو	مقدار درہم	کیفیت
کورتہ استان	+	+	+	+	۱۸۰۰۰۰	
شاذ فیروز	+	+	+	+	۱۸۰۰۰۰	
نہروانات	+	+	+	+	۱۸۰۰۰۰	
نہروان الاعلیٰ	۲۵۰۰۰۰	۱۸۰۰	۲۷۰۰			
نہروان الاوسط	۲۱	۳۸۰	۱۰۰۰	۵۰۰	۱۰۰۰۰۰	
نہروان الاسفل	۱۵۰۰۰۰	۱۲۰۰	۱۰۰۰			

تباذ ابن فیروز نے اپنے ایام حکومت میں سواد سے (۱۵۰۰۰۰۰) درہم وصول کئے تھے
حضرت عمر ابن خطاب نے (۱۲۰۰۰۰۰) درہم حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے (۱۲۴۰۰۰۰) درہم
اور ابن ہبیرہ نے (۱۰۰۰۰۰۰) درہم خراج وصول کیا۔ حجاج ابن یوسف نے (۱۸۰۰۰۰۰۰)
درہم وصول کیے۔ اس تعداد میں (۱۰۰۰۰۰۰۰) درہم شامل نہیں جو اسے ظلم سے جمع کیے تھے
اہل سواد نے گاؤں کو بالکل ممنوع قرار دیا تھا۔ تاکہ زراعت میں ترقی ہو سکے چنانچہ ایک
شاعر کہتا ہے

شکو نا الیہ خراب السواد
فخر جھڑو کو ہم البقر

۱۲ھ میں ابو العباس عبداللہ بن طاہر کو خراسان سے حسب ذیل خراج وصول
ہوا۔ (۴۲۸۴۷۰۰۰) درہم نقد سواری کے جانور (۱۳) عدد۔ (۳۰۰۰) بکریاں۔ (۲۰۰۰)
قیدی جنگی قیمت (۶۰۰۰۰۰) درہم تھی۔ (۱۱۸۷) عدد کپڑے (۱۳۰۰) عدد لوہے کے صندوق
اور چادرین۔

۱۷ھ ابن خرداد ذہ صفحہ ۱۴۷ ۱۸ھ ابن خرداد ذہ صفحہ ۲۹۹ تفصیل کے لیے دیکھو ابن خرداد ذہ صفحہ ۳۲۳

ابن حوقل نے واسطہ کے شہر کا خراج بحوالہ دیوان الخراج ۳۵۰ ھ میں (۶۰۰۰۰۰) درہم بیان کیا ہے۔ اور گونہ کا (۳۰۰۰۰۰) درہم و کرمان کے محاصل کی مقدار ۳۵۰ ھ میں (۵۰۰۰۰) درہم تھی۔ محض کا خراج (۲۳۰۰۰۰) درہم تھا۔
آخر میں ہم تمام سلطنت کے خراج صوبہ وار درج کرتے ہیں۔ اس سے اس زمانے کے متول اور خوشحالی کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

سواد	(۱۳۰۲۰۰۰۰) درہم
اھواز	(۲۲۰۰۰۰۰) درہم
فارس	(۲۳۰۰۰۰۰) درہم
کرمان	(۶۰۰۰۰۰) درہم
مکران	(۱۰۰۰۰۰) درہم
اصہبان	(۱۰۵۰۰۰۰) درہم
سجستان	(۲۰۰۰۰۰) درہم
خراسان	(۳۴۰۰۰۰۰) درہم
حلوان	(۹۰۰۰۰۰۰) درہم
ماد الکوفہ	(۵۰۰۰۰۰) درہم
ماد البصرہ	(۴۸۰۰۰۰) درہم
ہمدان	(۱۴۰۰۰۰) درہم
ماسبدان	(۱۲۰۰۰۰) درہم

۱۵ ابن حوقل صفحہ ۱۶۲ و صفحہ ۱۶۳ ۱۶۲ ھ میں ابن حوقل صفحہ ۲۲۶ - ۲۲۷ ھ میں کتاب الخراج صفحہ ۲۲۹

مصر جان قذاق	(۱۱۰۰۰۰) درہم
ایلیغارین	(۳۸۰۰۰۰) درہم
تم و قاسان	(۳۰۰۰۰۰) درہم
آذربائیجان	(۲۵۰۰۰۰) درہم
رے و دماوند	(۲۰۰۸۰۰۰) درہم
قزوین و زنجان و کھما	(۱۸۲۸۰۰۰) درہم
قومس	(۱۱۵۰۰۰) درہم
جرجان	(۲۰۰۰۰۰) درہم
طبرستان	(۲۲۸۰۰۰) درہم
تکریٹ و طبرستان و سن و البوزج	(۹۰۰۰۰) درہم
شہر درو و صامنا	(۲۴۵۰۰۰) درہم
الموصل	(۶۳۰۰۰۰) درہم
قدی و بزدلی	(۳۲۰۰۰۰) درہم
دیار ربیعہ	(۹۶۳۵۰۰) درہم
ارزن و میافارقین	(۴۲۰۰۰۰) درہم
کروون	(۱۰۰۰۰۰) درہم
آرمینیہ	(۲۰۰۰۰۰) درہم
اصل	(۲۰۰۰۰۰) درہم

دیارمضر	(۶۰۰۰۰۰) درہم
اعمال طریق الفرات	(۲۹۰۰۰۰) درہم
تفسیرین والعوام	(۳۶۰۰۰۰) درہم
حصص	(۲۱۸۰۰۰) درہم
دمشق	(۱۱۰۰۰۰) درہم
اردن	(۱۰۹۰۰۰) درہم
فلسطین	(۲۵۹۰۰۰) درہم
مصر و الاسکندریہ	(۲۵۰۰۰۰) درہم
الحرمین	(۱۰۰۰۰۰) درہم
الیمین	(۶۰۰۰۰۰) درہم
الیمامۃ والبحرین	(۵۱۰۰۰۰) درہم
عمان	(۳۰۰۰۰۰) درہم

مدینۃ السلام بغداد کے ذمیون کا جزیہ جسکی مقدار (۲۰۰۰۰۰) درہم تھی عراق کے مختلف ہے، اور اس اختلاف کی بنا پر ایک مذہب کو فطری یا غیر فطری کہا جاسکتا ہے؛
خراجین شامل تھا۔ کہتے ہیں کہ کسر اے ابر دیر نے اپنی حکومت کے اٹھا دوین سال
تمام سلطنت کے خراج کو شمار کیا۔ اسکی مقدار (۷۲۰۰۰۰) مثقال سونا (۹) اور (۶۰۰۰۰۰) درہم تھی۔

دین فطرت

یا

دین حنیف

(از مولانا عبد السلام ندوی)

آج جو لوگ مادیت کے نقشے میں چورہین، ان میں بعض نے دوسرے سے مذہبی عقاید و
اعمال کا انکار کر دیا ہے، اور بعض نے آیات قرآنیہ کو کہیںجہاں کر جدید سائنس و فلسفہ کے
مطابق کرینکی کوشش کی ہے، اور معقول و منقول کی اس تطبیق سے جو مذہب پیدا ہوا ہے
اسکا نام فطری مذہب رکھا ہے، لیکن کیا درحقیقت اسی کا نام فطری مذہب ہے؟ اگر
اسلام یا اور کوئی مذہب سائنس اور فلسفہ کے مخالف نہیں ہے، تو کیا صرف اس تطبیق و توفیق
کی بنا پر اسکو فطری مذہب کا لقب دیا جاسکتا ہے؟ یا مذہب کی فطرت سائنس کی فطرت سے
مختلف ہے، اور اس اختلاف کی بنا پر ایک مذہب کو فطری یا غیر فطری کہا جاسکتا ہے؟

اس سے تو کیسے انکار نہیں ہو سکتا کہ مذہب اور سائنس دونوں کا دائرہ الگ الگ ہے
مذہب صرف انسان کے عقاید و اعمال کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، اور سائنس کسی کے عقاید
و اعمال سے بحث نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف اشیاء کی حقیقت اور ان کے افعال و خواص سے
بحث کرتا ہے، اسکو اس سے غرض نہیں کہ اس سے دنیا کو کیا نفع و نقصان پہنچے گا،
لیکن کوئی مذہب انسان کے نفع و ضرر کو نظر انداز نہیں کر سکتا، اسلئے مذہب کی فطرت
سائنس کے قانون قدرت سے بالکل مختلف ہے، اسلئے مذہب کے دائرے میں رہ کر

مادیت اور روحانیت میں جو جنگ ہو سکتی ہے وہ سائنس اور مذہب کی جنگ سے بالکل مختلف ہوگی، سائنس اور مذہب میں اگر باہم مصالحت ہو جائے، اور سائنس کے تمام تازہ ترین انکشافات کے اصول قرآن مجید سے ڈھونڈ ڈھونڈ کے نکال لئے جائیں تو جو لوگ مادیت کے نشہ میں چور ہو کر فطری مذہب کی تلاش میں سرگرم ہیں، انکو اپنی کہوٹی ہوئی دولت طجائیگی، لیکن درحقیقت یہ فطری مذہب نہیں ہے، بلکہ فطری مذہب وہ ہے جسکا خاکہ حکماءے جدید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے،

”ثواب آخرت کے یہ معنی ہیں کہ انسان قانون کا پابند ہو، لیکن یہ قانون کیا ہے؟ اپنی ذات کی حفاظت، ان خصائص کو ترقی دینا جو انسان کی فطرت میں مضمر ہیں، بنی نوع کی محبت اور خدمت، خدا کی عبادت، لیکن خدا کی عبادت کے کیا معنی ہیں؟ اس پر ذرا غور کا ادا کرنا، اچھے کام کرنا، وطن کی محبت، عمل اور اخلاص ہی فطری مذہب ہے اور یہی فطری عبادت ہے یہ تو فطری مذہب کے اعمال ہیں، عقاید یہ ہیں ایک قادر مطلق کا یقین جو ہر چیز پر قادر ہے جسکو کوئی شے بدل نہیں سکتی، اور جسکے تمام کام اصول اور ترتیب پر مبنی ہیں۔“

موجودہ مادہ پرستی کے دور میں اگرچہ اس فطری مذہب کے خاکے میں بھی روحانیت کی رنگ آمیزیان نظر آتی ہیں، لیکن دنیا پر فریب دہ روحانیت کا ایک دور الباطنی گذرا ہے جس میں یہ مذہب خالص مادی مذہب سمجھا جاتا تھا، لیکن خدا نے اسی روحانیت آمیز مادیت کا نام فطرت رکھا۔ اور پیغمبر اسلام کو حکم دیا۔

فَاعْمِدْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ

اپنا منہ ہر طرف سے موڑ کر دین کی طرف کر دے خدا کی وہ فطرت ہے جس پر تمام دنیا کو پیدا کیا ہے

الحکام صفحہ ۲۲ دہ ۲ ماخوذ از تطبیق صفحہ ۳۰

ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون،

خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی یہ سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے،

جو لوگ مذہبی تاریخ سے ناواقف ہیں وہ اس فطرت کو قانون قدرت کا مرادف سمجھتے ہیں، اور اسی غلط فہمی کی بنا پر تطبیق معقول و منقول کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ کسی قانون، کسی اصطلاح، اور کسی فلسفہ کی مرادف نہیں ہے، بلکہ صابی مذہب کی حریف اور اسکی مد مقابل ہے، جس کی بنیاد کسب پر قائم ہے، یعنی یہ کہ انسان صرف مجاہدہ، مراقبہ اور ریاضت شاقہ کے ذریعہ سے وہ روحانی کمالات حاصل کر سکتا ہے جو اسکو خدا تک پہنچا سکتے ہیں، لیکن دینِ قیم نے اسکا ذریعہ صرف تکمیل فطرت کو قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ عبدلکریم شہرستانی ملل و نخل میں لکھتے ہیں،

وانما ملأ الله قلوبهم على التعصب للشيئين
لما ان ملأ الله قلوبهم على التعصب للشيئين
للبشر الجسمانيين والصائبة تدعى
ان ملأ الله قلوبهم على التعصب للشيئين
ان ملأ الله قلوبهم على التعصب للشيئين
الى الكتاب دعوة الخفاء الى الفطرة

صائبین کے مذہب کا دار و مدار روحانیت کی حمایت پر ہے، جیسا کہ صائب کے مذہب کا دار و مدار جسمانی آدمیوں کی حمایت پر ہے، اصابت کا دعویٰ ہے کہ ہمارا مذہب کسب ہے، اور خفاء دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا مذہب فطرت ہے، پس صائبیت کی دعوت الی الکتاب و دعویٰ الخفاء الی الفطرة

صابی مذہب نے الکتاب کی جو دعوت دی ہے وہ اس روحانی اصول پر مبنی ہے کہ (۱) خدا چونکہ بالکل مجرد عن المادہ ہے، اسلئے انسان اس مادیت کے ساتھ اس تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا، جو لوگ نبوت کے مدعی ہیں، وہ بھی مادی حیثیت سے عام انسانوں

ملل و نخل جلد دوم صفحہ ۱۹۵

بالا تر این زمین، سب لوگ جو کھاتے ہیں وہی کھاتے ہیں، سب لوگ جو پیتے ہیں وہی پیتے ہیں، جیسی شکل و صورت تمام دنیا کی ہوتی ہے ویسی ہی انکی بھی ہوتی ہے، غرض وہ کسی طریقہ سے انسان اور خدا کے درمیان واسطہ نہیں بن سکتے،

(۲) البتہ خدا اور انسان کے درمیان روحانیات کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہے جسکو اگر واسطہ بنایا جائے تو خدا تک رسائی ہو سکتی ہے،

(۳) لیکن جب تک سخت سے سخت ریاضتیں نہ کیجائیں، متصل روزے نہ رکھے جائیں، قربانیاں نہ کیجائیں، عود و عنبر نہ لگائے جائیں، رہبانیت نہ اختیار کیجائے، مرغوبات و لذات سے ہاتھ نہ اٹھالیا جائے، ہم میں وہ روحانی استعداد نہیں پیدا ہو سکتی جسکے ذریعہ ہم ان روحانیات سے مناسبت پیدا کر سکیں جو ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ کا کام دے سکتے ہیں، لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ نتائج کے لحاظ سے یہ روحانی مذہب خالص مادی قالب میں ڈھل گیا، صابین نے غیر مجسم روحانیت کا جو عقیدہ قائم کیا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے فطری روحانیت یعنی نبوت کا کلیتہً انکار کر دیا،

حضرت نوح ہی کے زمانہ سے ہمارے کانون میں کفار کی جو یہ آواز آتی ہے کہ ہم اپنے ہی جیسے آدمی کا اتباع نہیں کرتے، وہ بھی صابیت ہی کی آواز ہے، لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے جن روحانیات کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ بنایا تھا، مادیات کو ان کا منظر قرار دیا، اسلئے بت پرستی کا ایک عام سلسلہ قائم ہو گیا، جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک قائم رہا، صابی مذہب کی سب سے زیادہ گرم بازاری حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھی، اور وہی زمانہ بت پرستی کے عروج کا زمانہ بھی تھا لیکن دینِ قیم اور دینِ فطرت نے صرف تکمیل فطرت پر اپنی بنیاد رکھی جو

اگرچہ مادیات سے محروم تھی لیکن اسکا روحانی نتیجہ یہ نکلا کہ

(۱) روحانیت کا جو واسطہ لازمی طور پر بت پرستی کی طرف منجر ہو جاتا تھا بالکل اڑ گیا، اور دینِ قیم خالص موحدانہ مذہب بن گیا،

(۲) تکمیل فطرت کے مدارج کے لحاظ سے انسانوں کے مختلف طبقے قرار پائے اور ان میں جو طبقہ سب سے بلند تر تھا اسکو نبوت کا شرف حاصل ہوا، اور وہ خدا اور عام انسانوں کے درمیان واسطہ قرار پایا،

(۳) عملی طور پر صابی مذہب نے کسب روحانیت کے جو طریقے مقرر کئے تھے، وہ نہایت سخت تھے، اسلئے ہر شخص اس سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا تھا، لیکن یہ فطرتِ حسیہ و دینِ حنیف دینِ قیم، اور دینِ ابراہیمی کی بنیاد قائم ہے، نہایت آسان چیز ہے، اسلئے خدا نے اس فطری مذہب کو دینِ قیم یعنی سیدھا سادہ دین کہا ہے، صابین کو خدا تک پہنچنے کے لئے سخت مجاہدہ، مراقبہ اور ریاضتِ شاقہ کی ضرورت ہوتی تھی، لیکن دینِ حنیف نے جس فطرت کو اسکا ذریعہ بنایا، وہ صرف چند اخلاقی، مذہبی اور تمدنی اصول سے مرکب ہے، جو شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان کے مطابق حسب ذیل ہیں،

(۱) طہارت و لطافت، یہی وجہ ہے کہ جو دس طہارتیں حدیث شریف میں مذکور ہیں، یعنی مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا وغیرہ، انکو خصالِ فطرت کہا جاتا ہے، اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، جو دینِ فطرت یعنی دینِ حنیف کے بانی ہیں،

(۲) اجبات، یعنی خدا کی صفات کاملہ کا تصور کر کے اس کے سامنے عجز و الحاج کرنا،

(۳) سماحت، یعنی نفس میں ایک ایسی کیفیت کا پیدا ہو جانا جو انسان کو قوائے شہوانیہ کی

اطاعت سے روک دے،

(۴) عدالت یعنی نفس میں ایک ایسے ملک کا پیدا ہو جانا جس سے انسان ایسے کام کرے جو تمدن کے لئے مفید ہوں،

چنانچہ ان اصول کے ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں،

والحالة الملوكية منقضية بالفسطحة

ان سے جو حالت مرکب ہوتی ہے اسکا نام فطرت ہے

اسلام اسی فطرت کی تکمیل کے لئے دنیا میں آیا تھا، اس لئے اس نے اپنے آپ کو فطری اور صابی مذہب کو جو بت پرستی کی صورت میں ہر جگہ موجود تھا غیر فطری مذہب کا خطاب دیا، اسلام کا مقابلہ دنیا کے تمام مذاہب کے ساتھ تھا، فلسفہ اور سائنس کے ساتھ نہ تھا اس لئے

یہ غلطی ہے کہ سائنس و فلسفہ کی مطابقت و عدم مطابقت کی بنا پر اسکو فطری یا غیر فطری

مذہب قرار دیا جائے سائنس اور مذہب دونوں کی دنیا الگ الگ ہے، اس لئے دونوں کی فطرت

بھی مختلف ہے، سائنس کی فطرت دنیا کے ذرے ذرے میں موجود ہے، لیکن مذہب کی فطرت کا

مظهر نفس انسانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا،

تلخیص و تبصرہ

بہار اللہ

(از سرپرستیم سنگد ایم، اے)

اس بہائی تحریک میں جسکا بانی باب تھا، مرکزی شخصیت بہار اللہ کی ہے، بہار اللہ کا اصل

نام مرزا حسین علی تھا، اسکے والدین ایران کے دارالسلطنت طهران کے مشہور باشندے تھے،

اور والد وزیر حکومت تھے، بہار اللہ کا سال پیدائش ۱۸۴۷ء تارکچ عالم میں ایک یادگار سنہ

رہیگا، بہار اللہ کو مرزا علی محمد باب، بانی مذہب بابیہ کے اولین متبعین میں ہونے کا شرف

حاصل ہے، افسوس ہے کہ اسکی ابتدائی زندگی کے حالات موجود نہیں، سب سے پہلے ان کا

نام بحیثیت بابی ہونے کے منظر عام پر اسوقت آتا ہے، جب ۱۸۵۲ء میں ایک بابی بمقام تبریز

باب کی شہادت کے انتقام میں شاہ ناصر الدین والی ایران کے اقدام قتل کا مرتکب ہوا تھا

اس جرم کے پاداش میں بابیوں کو شدید مصائب برداشت کرنے پڑے، اور اگرچہ بہار اللہ کے

مشتعل یہ ثابت ہو گیا، کہ ان کا اس سازش سے کوئی تعلق نہ تھا، اور چار مہینہ کی اسیری کے بعد

انہیں رہائی بھی حاصل ہو گئی تھی، تاہم مصالحوں کی لحاظ سے انہیں بغداد و بصرہ و حلب و دمشق

انکی عمر ۳۴ سال کی تھی، یہاں ان کا قیام دو سال تک رہا، اس مدت میں وہ برابر کلام حق

کی تبلیغ کرتے رہے، اور اسکے بعد علائقہ کردستان کے کوہ سلیمانہ کے غاروں میں خلوت

گزین ہو گئے، اس زمانہ عورت کے متعلق بعد کو وہ اپنی، ایک عزیزہ کو ان الفاظ میں تحریر

کرتے ہیں :-

”میں نے اپنی صحبت صرف جنگی پرندوں اور صحرائی درندوں کے ساتھ رکھی، اور اس
ادی دنیا سے مثل ایک برقِ روحانی کے گزر گیا، اسکے بعد کم و بیش دو سال تک میں
ہر وقت یادِ الہی میں مشغول رہا، اور ماسوا سے آنکھیں بند رکھیں۔“

۱۸۵۸ء میں احبابِ داعیہ کے اصرار سے وہ بغداد کو واپس آئے، انگریزی حکومت
انکو دعوت دی کہ وہ ہندوستان میں بطور انگریزی رعایا کے رہ سکتے ہیں لیکن بہاء اللہ نے
اس دعوت کو قبول نہ کیا، اور اپنی بود و باش کے لئے ترکی علاقوں کو ترجیح دی،

علمائے شیعہ جس طرح باب کے دشمن تھے، اسی طرح بہاء اللہ کے بھی دشمن ہو گئے اور انھوں
انکی تحریک کے برخلاف بغداد میں ایک شورش برپا کر دی، ترکی حکومت کے سامنے
بہاء اللہ کا روز افزون اقتدار ایک خطرناک شکل میں پیش کیا گیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۶۳ء
میں بہاء اللہ کو قسطنطنیہ میں طلب کیا گیا، اس وقت انکی عمر ۴۴ سال کی تھی، اور بغداد میں
گیارہ سال تک قیام رہ چکا تھا،

قسطنطنیہ میں حکومت ترکی کے حمان کی حیثیت سے بہاء اللہ کا قیام چار مہینے تک
رہا، اس اثنا میں بعض ذی اثر حکام کی سازشوں سے جدید حکم یہ صادر کیا گیا کہ بہاء اللہ
اُوریا نوپل منتقل کیا جائے، چنانچہ اسی ۱۸۶۳ء میں بہاء اللہ کو مع اپنے رفقاء کے اُوریا نوپل

منتقل ہونا پڑا، یہیں اگر انھوں نے اول اول اپنے پیامات ربانی کی باضابطہ اشاعت
شروع کی، جیسا کہ ”اس“ کے ظہور کی خبر تھی، جسکی بشارت باب کے بیان میں آچکی تھی

گویا باب مسیحِ بہائیت کے لئے بمنزلہ یوحنا حواری کے تھے، اسی وقت سے بہاء اللہ اور
صبحِ ازل کے درمیان اختلاف کی بنیاد پڑی جو باب کا سوتیلا بہائی اور اکثر دن کے نزدیک
اسکا صحیح خلیفہ تھا، ترکی حکومت نے اس نقیض کا فیصلہ یوں کیا کہ فریقین کو ایک دوسرے سے

علحدہ کر دیا، اور بہاء اللہ کو غلہ اور صبحِ ازل کو قبرس میں جلا وطن کر دیا، اور چونکہ اس حکم کا
مقصد جماعت میں انتشار پیدا کرنا تھا، اسلئے متنبین کے ایک حصہ کو سوڈان اور ایک کو
خرطوم جلا وطن ہونا پڑا، بہتوں نے اپنے ہاتھ سے خودکشی کر لی، بہتوں کو قتل کر دیا گیا اور
بابیوں پر ظلم و تعدی کی کوئی انتہا نہ رہی، (ان مظالم کی تفصیل مرزا جواد کی تاریخِ نبی ملگی جسکا
انگریزی ترجمہ پروفیسر براؤن نے اپنی جدید تصنیف ”بابی ریلیجن“ میں شامل کیا ہے)

بہاء اللہ کی عمر ۵۲ سال کی تھی، جب انہیں غلہ کے قید خانہ میں قید کیا گیا، اور اس وقت
یکبر ۱۸۹۲ء تک یعنی پورے ۲۴ سال کی مدت قید خانہ ہی میں گزری، اور اسی قید خانہ ہی سے
وہ پیام ربانی کی تبلیغ کرتے رہے، سلاطین و دایان ملک کے نام خطوط و مکاتیب جنہیں انہیں
حق شناسی پر توجہ دلائی گئی ہے، یہیں سے لکھے گئے تھے، بہاء اللہ کے مجموعہ تصانیف کا نام
”کتاب الاقدس“ ہے، جو بہائی مذہب کے حسب اعتقاد الہامی کتاب ہے، اور جس میں
بہائیوں کیلئے واجب العمل احکام درج ہیں، ذیل میں چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں،
جن سے اس اعلیٰ تعلیم کا اندازہ ہوگا جو بہاء اللہ نے متلاشی حق دنیا کے سامنے پیش کی ہے،
بہائیت کی الہیات پر گفتگو کرنا سروسرست میرا مقصود نہیں، تاہم میرا یقین ہے کہ اس زمانہ میں
بہاء اللہ کا فلسفہ منجملہ بہترین فلسفوں کے ہے، اور ایسا فلسفہ جو سب سے زیادہ معقول اور
سب سے زیادہ قابل عمل ہے، اقوال ذیل ملاحظہ ہوں،

(۱) ہر مذہب دملت کے اشخاص کے ساتھ بہ حسن سلوک پیش آؤ،

(۲) تم سب ایک ہی درخت کے پھل، اور ایک ہی شاخ کی پتیان ہو، اپنے محبوب وطن
ہونے پر فخر کی کوئی بات نہیں، البتہ محبِ عالم ہونے پر ہے،

(۳) اے باشندگانِ ارض! خدا کے مذہب کو منافرت کا جیلہ نہ بناؤ، خدا کی قسم، خدا کا

دین و مذہب ارتباط و اتحاد کے لئے آیا ہے نہ کہ نفاق و اختلاف کے لئے

(۴) مارپیٹ، جنگ و جدل، قتل و غارت، جنگلی درندوں کے افعال ہیں جو ظلم و جہالت کے

خارون میں رہتے ہیں، خدا کے برگزیدہ بندے ان بیرون سے پاک اور ارفع ہوتے ہیں،

(۵) مذہب کی تقویت اعمال سے ہوتی ہے، اور فضایل اُسکے معین ہوتے ہیں، اسے بہاؤ پر

ایمان لانے والا، فضیلت (نیکی) پر مضبوطی سے قائم رہو،

(۶) انسان کی فضیلت یہ ہے کہ وہ خدمت خلق و تزکیہ نفس میں مشغول رہے نہ کہ عیش

و عشرت اور زرد مال میں۔

(۷) اپنی نظروں کو پاکباز، اپنے ہاتھوں کو باامانت، اپنی زبان کو صداقت شعار، اور

اپنے قلب کو ایمان دار رکھو،

(۸) اگر کوئی متلاشی، سلطان ازل کے راستہ کو قطع کرنا، اور اُسکی تلاش و تحقیق کرنا چاہتا ہے،

تو اسے چاہیئے کہ پہلے اپنے قلب کو صاف و طاہر کرے، کہ اسی تحت پر معشوق حقیقی جلوہ آ رہا ہو،

(۹) اے خدا پر ایمان لانے والا، خدا کا کلام مثل درخت کے ہے، اُسکی تخم بیزی قلوب

انسانی کے تختہ پر ہونا چاہیئے، اور اُسکی آبیاری ذکر و فکر کے دریا سے ہونا چاہیئے تاکہ اُسکی

جڑیں مضبوط ہو جائیں اور اُسکی شاخیں آسمان تک پہنچ جائیں،

(۱۰) میرے تمام اعضا اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں کہ وحدہ لا شریک موجود ہے،

اور جن پر اس نے انکشاف حق کر دیا ہے، اور جنہیں اس نے ہدایت خلق کے لئے بھیجا ہے،

وہ اُسکے مظاہر اور عالم مخلوقات میں اُسکی وحی کے حامل ہیں،

(۱۱) اے باشندگان ارض! خدا کے مذہب کو آپس میں اختلاف کا آلہ نہ بناؤ، الحق و مذہب

دنیا کو متحد کرنے کے لئے آیا ہے،

(۱۲) اے باشندگان عالم! تم سب ایک ہی درخت کے پھل اور ایک ہی شاخ کی پتیان ہو

آپس میں فراخ دلی، یکپہتی، اتحاد و خلوص کے ساتھ معاشرت کرو،

(۱۳) آدمی کو اسپر فخر نہ کرنا چاہیئے کہ اسے اپنے وطن کے ساتھ محبت ہے بلکہ اسپر فخر کرنا چاہیئے کہ

اسے نوع انسانی کے ساتھ محبت ہے،

(۱۴) تم میں سے ہر شخص پر لازمی ہے کہ اپنے لئے کوئی ایک شغل اختیار کر لے، مثلاً، صنعت،

تجارت وغیرہ، تمہارا یہی پیشہ عین عبادت الہی ہے، اے لوگو! خدا کے رحم و کرم اور لطف و فضل پر

غور کرو، اور صبح و شام اسکی جناب میں اداے شکر کرو،

(۱۵) اپنا وقت بیکار کمالی دقت پروری میں ضائع نہ کرو، بلکہ ان مشاغل میں صرف کرو، جو

تمہاری ذات کو اور دوسروں کو نفع پہنچانے والے ہیں،

(۱۶) مذہب امن و تحفظ عالم کے لئے ایک مستحکم قلعہ اور ایک واضح نور ہے، خوف الہی ہمیشہ

انسان کو اس چیز کی طرف لیجاتا ہے جو نیک ہے، اور اس راستہ سے روکتا ہے جو بد ہے،

اگر مذہب کی شمع ہدایت فنی رہے تو ابتری و بد نظمی پیدا ہو جائے، اور عدل و مساوات کی مشعل

اور امن و نظم کا آفتاب بے نور ہو کر رہ جائے،

(۱۷) جملہ مذاہب کے اشخاص کے ساتھ بہ لطف و محبت پیش آؤ،

(۱۸) خدا نے انسان کو مے نوشی سے منع کیا ہے،

اس تعلیم کی رفعت سے کسکو انکار ہو سکتا ہے، اور اگر بہاء اللہ کی تعلیم نے آج متمدن دنیا کو اپنی جانب

منوجہ کر لیا ہے تو اسپر حیرت نہ کرنا چاہیئے، بہائی تحریک پہلے ایران میں باوجود مظالم اور تعذیوں کے پھیلی اور

اسوقت سے برابر یورپ و امریکہ میں پھیلی جاتی اور ہندوستان میں بھی جلب توجہ کرتی جاتی ہے،

اس مذہب کے شیعہ معتقدات اور بہاء اللہ کے قائم کردہ نظامات پر آمیزہ کج گفتگو ہوگی،

نمبر ۶۰

فرقہ بینید یہ

پانیز کا مخصوص مراسلہ نگار عراق عرب سے ایک فرقہ کا حال لکھتا ہے جو شیطان کی پرستش کرتا ہے، مضمون نگار کی روایت ہے کہ اس فرقہ کا نام بینیدی ہے، اور یہ عربوں اور کردوں کی مخلوط نسل سے مرکب ہے، انکی تعداد ۶۰ ہزار ہے، اور ان میں سے اکثر کا مسکن جبل سحر ہے جو دجلہ کے پورب موصل کے مقابل واقع ہے، انکی کچھ تعداد حلب، دیار بکر، فلسطین، و طہران میں بھی موجود ہے، انکی زبان کردی زبان کی ایک شاخ ہے، بلحاظ عادات و خصائل، یہ لوگ بڑے جفاکش، باہمت، پاکباز و همان نواز ہیں، لیکن ساتھ ہی باکسل جاہل بھی ہیں، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ تعلیم ان کے مذہب میں قطعاً ممنوع ہے، حکومت کے جبر و تعدی سے انکی جماعت روز بروز گھٹتی جاتی ہے، چنانچہ ۱۹۹۲ء میں یہ کئی ہزار کی تعداد میں قتل ہو چکے ہیں،

ان کا مذہب دراصل قدیم طرز کی عجوبہ پرستی کا مظہر ہے، جیسا کہ مسیحیت، یہودیت و اسلام تینوں کے عناصر شامل ہیں، انکا عقیدہ یہ ہے کہ سب سے بڑی قوتیں دو ہیں، ملاک طاؤس، اور ملاک عیسیٰ، جین سے اول الذکر اہرمین (شیطان) اور آخر الذکر یزدان (خدا) کے مرادف ہے، ان میں سے ہر قوت کی مدت حکومت دس ہزار سال تک رہتی ہے لیکن آجکل چونکہ شیطان کا دور حکومت ہے، لہذا اسی کی عبادت واجب ہے،

شیطان کی مدت حکومت کے چار ہزار سال گزر چکے ہیں، اور چھ ہزار سال باقی رہ گئے ہیں، اس مدت کے اختتام پر عیسیٰ کا ظہور ہوگا، جو شیطان کو جہنم میں بھیجیں گے،

اور وہاں پہنچکر اسقدر گرہ دہکا کرے گا کہ آتش و دوزخ اس کے آنسوؤں سے سرو ہو جائیگی اسوقت اسکی خطا معاف ہوگی، اور اسوقت وہ از سر نو معلم الملوک کے مرتبہ پر سرفراز ہوگا، آجکل جو مسیح کا درجہ بلند ترین نہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ اسوقت ان کا عہد حکومت نہیں اور چونکہ وہ نہایت حلیم، رحیم، کریم و خطا پوش ہیں اسلئے ان سے ڈرنے اور خوف کرنیکی کوئی ضرورت نہیں،

دعوتوں اور ضیافتوں کے موقع پر یہ لوگ ایک بھیڑ کی مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں اور سات بھیڑوں کی شیطان کے نام پر اسلئے کہ شیطان بڑا ہی سخت گیر اور غضبناک معبود ہے، یہ لوگ مسیح کے علول پر اعتقاد رکھتے ہیں، لیکن صلیب پر انکے وفات پانے کو نہیں مانتے، مسیح کے ظہور اول کو یہ لوگ ناکام قرار دیتے ہیں، اسلئے کہ اسوقت وہ قوت عصیان کو شکست نہ کر سکے، یہ لوگ صلیب کا احترام کرتے ہیں، آفتاب و ماہتاب کو مقدس مانتے ہیں، اور جس مقام پر آفتاب کی شعاعیں سب سے پہلے پڑتی ہیں، اسکو روز چوتھے ہیں، ان کا اعتقاد ذات باری پر بھی ہے، لیکن چونکہ ان کے حسب اعتقاد اس کا تعلق صرف آسمان سے ہے، اور دنیا اور مافی الدنیا سے اسے کوئی سروکار نہیں، اسلئے اسکی عبادت ضروری نہیں سمجھتے، حضرت محمد کو پیغمبر برحق تسلیم کرتے ہیں اور مکہ کو مقام مقدس مانتے ہیں، سانپوں کی پرستش تو شاید یہ لوگ نہیں کرتے تاہم ان کے معاہد میں بڑے بڑے سیاہ سانپوں کی تصویریں بنی ہوئی رہتی ہیں، اور آگ میں تھوکنے انکے ہاں محضیت کیرہ ہے، اس عمارت کے سامنے جبکہ اندر شیطان کی مورتیں رہتی ہیں، ہمیشہ چراغ روشن رکھے جاتے ہیں، ان کے حسب اعتقاد، انسان کی خلقت آدم و حوا سے ہوئی ہے، لیکن آدم و حوا اب تک ایک ایک نہیں بلکہ اکثر اکثر کی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں، اور ان میں سے ہر

آدم دھوا کی عمر دس دس ہزار سال کی ہوئی ہے، روایت ہے کہ ابتداء میں آدم دھوا کے درمیان اس باب میں جگہ ہوا کہ ان میں سے قوت تخلیق کس میں ہے اس قضیہ کو طے کرینے کے لئے انھوں نے ایک ایک برتن میں ہوکا اور انہیں سرسبز کر کے نوہینہ تک رکھا، اسکے بعد جب کہ ہوا تو دھوا کے برتن سے سانپ دو دیگر حشرات الارض نکلے، اور آدم کے برتن سے دو خوبصورت اولادیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی برآمد ہوئے، اور یزید یہ انہیں کی نسل سے بن ہوا کہ اس تجربہ کے نتیجہ پر تناغصہ آیا کہ انھوں نے ان بچوں کی رضاعت سے انکار کر دیا، لیکن خدا نے آدم کو پستان دیدیئے اور انھوں نے دو سال تک ان بچوں کی رضاعت کی،

طوفان نوح سے متعلق بھی انکی روایت دلچسپ ہے، کشتی اگر کوہ سنجہ پر ٹہری جو انکے پہاڑوں کی سب سے اونچی چوٹی ہے، لیکن جو منی وہ کشتی ٹہرنے لگی دفعۃً پہاڑ اس تیزی کے ساتھ ابھر کہ کشتی میں سوراخ ہو گیا، اور وہ ڈوبنے لگی اس کشتی کو سخت غصہ آیا اور نوح سرسیمہ ہو گئے اسوقت ایک سانپ انکے پاس آیا، اور اس نے کہا کہ اگر آپ میری ایک شرط منظور کرنے کا وعدہ کریں، تو میں اس سوراخ کو اپنے جسم سے بھر کر کشتی کو غرقابی سے بچا سکتا ہوں، اور وہ شرط یہ ہے کہ آپ آئندہ اجازت دین کہ میں اپنا مسکن انسان کی بغل کو رکھوں، اور انسانی خون چوستا رہوں ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک دریائی پرندہ نے جھپٹا مار کر سانپ کو اپنی چونچ میں اٹھالیا، سانپ اسوقت درود تکلیف سے بیتاب ہو کر "اخ، اخ" چلایا جسکے معنی "زمین، زمین" کے کردی زبان میں ہیں، نوح اسکا مطلب یہ سمجھے کہ سانپ کو زمین پر رنگتے رہنے کی تمنا ہے اور انھوں نے اسکی اسی شرط کو منظور کر لیا، لیکن جب اسکے بعد کشتی محفوظ ہو گئی تو نوح نے اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کی، اور جتنے سانپ کشتی پر موجود تھے سب کو یکجا کر کے آگ میں جوتک دیا، لیکن انکی خاکستر سے دوسرے سانپ پیدا ہوئے جو آج تک دنیا میں

موجود اور انسان کی ہلاکت میں مصروف ہیں،

گزشتہ جنگ میں ۱۹۱۸ء میں یزیدیوں نے بہت سے مسیحیوں کو پناہ دی اور جو ترک ان کے تعاقب میں آئے تھے ان سے مقابلہ کر کے انہیں شکست دی،

مذہب بودھ اور عالم جنات

ایک مشہور تہیا سوفٹ مضمون نگار مسٹر پیٹریوی ایسریو نے رسالہ تہیا سوفٹ کے تازہ نمبر میں مذہب بودھ کے مطابق عالم جنات پر ایک دلچسپ مضمون تحریر کیا ہے وہ کہتے ہیں عالم ناسوت کے بعد عالم جنات (ملکوت) ہے، انسان موت کے بعد اسی عالم میں جا کر پھر پیدا ہوتا ہے، اور یہاں وہ جن کہلاتا ہے،

جنات اپنے مدارج عقل و روحانیت کے لحاظ سے چودہ طبقوں میں تقسیم ہیں، ان کی سکونت کی سات اقلیمیں ہیں، اور ان کے دو دو طبقہ ہر اقلیم میں سکونت گزین رہتے ہیں، جنہیں سے سب سے ادنیٰ دو طبقوں کے جنات کا مسکن پہاڑ، پہاڑیان اور درخت ہوتے ہیں ان طبقوں کے جنات عقل و شعور کے لحاظ سے نہایت ہی لپٹ ہوتے ہیں، بخلاف ان کے اونچے طبقوں کے جنات بہت ہی ممتاز ہوتے ہیں،

جنات کا جسم ہم انسانوں ہی کا سا ہوتا ہے، البتہ جس مادہ سے اسکی ترکیب ہوتی ہے، وہ بہت ہی لطیف ہوتا ہے، اور ان کا احساس بہت ہی نازک ہوتا ہے، لپٹ مرتبہ جنات اپنے جذبات و حواس ظاہری کے غلام ہوتے ہیں، اور بعض دفعہ عالم ناسوت کے باشندوں کو پریشان کرتے ہیں، لیکن بلند مرتبہ جنات تزکیہ نفس و ارتقا و روحانی کے لحاظ سے بہت ارفع

ہوتے ہیں، اور وہ کمزور دن کی برابر اور کتے رہتے ہیں،

ہماری طرح وہ بھی خاندان میں منقسم اور مختلف مشاغل میں مصروف رہتے ہیں، البتہ ان کے گھرانوں میں صرف بالغ افراد ہوتے ہیں، بچہ نہیں ہوتے، اسلئے کہ بخلاف ہماری دنیا کے ان کے عالم میں سلسلہ توالد و تناسل نہیں، افراد خاندان میں اضافہ یوں ہوتا رہتا ہے کہ جہاں کسی جن کو اسکی خواہش پیدا ہوئی معا ایک بالغ جن وجود میں آجاتا ہے اسی طرح جہاں انہیں خواہش تغذیہ پیدا ہوئی، مٹا غذا مل جاتی ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ انکی غذا بھی نہایت لطیف ہوتی ہے، اغذیہ ناسوتی کی طرح کثیف نہیں ہوتی، انکی جسمانی خواہشوں کی تعمیل فی الفور ہوتی ہے، اور خواہش پیدا ہوئی اور اوپر پوری ہو گئی، عالم خاکی طرح انہیں قیام و بقا سے حیات کے لئے کسی طرح کی جدوجہد نہیں کرنا پڑتی، ہر جن کی (خواہ وہ ذکور میں سے ہو یا اناث سے) عمر طبعی تین کروڑ ساٹھ لاکھ سال کی ہوتی ہے، اور یہ ساری مدت عیش و فراحت کے ساتھ کٹی ہے، اور اگر اس عمر میں فوائض کی پوری طرح پابندی کیجاتی رہی تو اس مدت کے خاتمہ پر رفتہ رفتہ مختلف قالبوں سے گزر کر ہر جن بالآخر برہم لوک (عالم اہوت) تک پہنچ جاتا ہے، جو دیولوک (عالم ملکوت) سے کہیں برتر و ارفع ہے اور ارتقائے وجود کی انتہائی منزل ہے،

چونکہ جنات مختلف مراتب و مدارج کے ہوتے ہیں، اسلئے ان کے مذاہب بھی مختلف ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح کہ جیسے انسانوں میں بہ کثرت مذاہب و ادیان ہیں البتہ چونکہ ان کا مرتبہ عقل و روحانیت ہم سے بدرجہا برتر ہے، اسلئے ان میں ہماری طرح مناتشہ و مکاہرہ برپا نہیں رہتا، ہر فرد اپنے اپنے عقیدہ کا پابند رہتا ہے، اور آپس میں پوری رواداری و مودار رہتی ہے، اور صرف عقاید ہی نہیں بلکہ اعمال حسنہ میں بھی ان کا قدم

ہم سے کہیں آگے رہتا ہے،

ہر اقلیم حتیٰ ایک مطلق العنان فرمان روا کے زیر نگین رہتی ہے، جسکے ماتحت ذمہ دار حکام و عمال پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہتے ہیں، بادشاہ وقت ظل اللہ سمجھا جاتا ہے، وہ محض فرمانروا ہی نہیں ہوتا بلکہ مرشد کامل بھی ہوتا ہے، اور اسے رعایا پروری کا انتہائی خیال رہتا ہے، اسکے سپرد محض اپنی ہی قلمرو کا انتظام نہیں رہتا بلکہ عالم ناسوت کی نگرانی بھی اسکے فرائض میں داخل رہتی ہے، اقلیم ثانی و ثالث کے تاجدار کا نام شاہ ساگر ہے، وہ نہایت عادل و حق پرست فرمان روا ہے، وہ اقلیم ماتحت و عالم ناسوت کی جہان بینی کرتا رہتا ہے، اور اپنے سے برتر اقلیم کے فرمانرواؤں کے سامنے اسے اپنے افعال کی جواب دہی کرنا ہوتی ہے، اس حکومت کا اصطلاحی نام سدھرم ہے اور یہ نام خود اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ اس ملک کی رعایا روحانی حیثیت سے کتنی ترقی یافتہ ہے، سکر کے چار مشیر یا وزیر ہیں، جسکے سپرو زمین کے جوانب اربعہ ہیں، چنانچہ

شمال	راجہ دسرتہ کے سپرد ہے،
جنوب	راجہ دیروڈل
مغرب	راجہ دینی کچھ
مشرق	راجہ دیس دانا

ان وزراء کے علاوہ ۱۲۸ اور ارکان حکومت ہیں، یہ مجلس ہر قمری مہینہ کی چودھویں تاریخ کو بدر کامل کے دن اپنا اجلاس کرتی ہے اور غور و بحث کے بعد مسائل کا فیصلہ صادر کرتی ہے، دنیا کے ہر فرد بشر کے ساتھ اس عالم جنات کا ایک ایک جن بطور ہمزاد کے مسلط رہتا ہے جو ہر وقت اسکی مدد و نگرانی کرتا رہتا ہے، اگر مہمکانات عمل سے نجات دلانا بیشک اس جن کے

احسان علیہ

حوادث جنگ کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ انگریزی کتابوں کی قیمتیں جرمنی داسٹریا میں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ یقین نہیں آتا، ٹائمز کے تعلیمی ضمیمہ کا بیان ہے کہ انگلستان میں برطانیہ کی چھپی ہوئی جس کتاب کی قیمت ۱۰ شلنگ ہے، وہ جرمنی میں ۱۸۰ شلنگ (نو پونڈ) کو ملتی ہے، اور اسٹریا میں ۶۰۰ شلنگ (۳۰ پونڈ) کو! اس صورت حال سے قدرۃً جرمن داسٹری تعلیم گاہوں اور کتب خانوں میں انگریزی کتابوں کا قحط ہو گیا ہے یہ دیکھ کر خود انگریزوں کو اب رحم آگیا ہے، اور ایک انگریزی داعر کی انجمن اس غرض سے قائم ہوئی ہے کہ انگریزی کی جو نہایت ضروری کتابیں ہیں، انہیں مناسب قیمت پر جرمن داسٹری یونیورسٹیوں کو مہیا کرے،

ایک فریخ شخص نے فوٹو گرافی کا ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے خود بخود پوری تصویر چارمنٹ میں کھینچ کر تیار ہو جاتی ہے جس شخص کو تصویر کھینچنا منظور ہوتا ہے، وہ اس کیمرہ کے سامنے بیٹھ کر اسکے اندر کچھ نقد ڈالتا ہے، معاً ایک گھنٹی بجتی ہے، اور کیمرہ کے اوپر یہ الفاظ مندرج ملتے ہیں، ”تیار ہو کر بیٹھے، اپنا چہرہ داہنی طرف رکھیے، نگاہ اوپر والے آئینہ پر پڑے، اور چہرہ مسکراتا ہوا رکھیے۔“ اسکے بعد ہی ایک چھوٹا سا لمپ مشین کے اوپر روشن نظر آتا ہے اور تختی ان الفاظ کے ساتھ نمودار ہوتی ہے، ”اپنے جسم کو ساکن و بے حرکت رکھیے“ چند سکند میں کیمرہ کے اندر سے کہٹ کی آواز آتی ہے، اور روشنی گل ہو جاتی ہے، اسکے بعد

اختیار میں نہیں ہوتا تاہم اسکی وہ کوشش برابر کرتا رہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے زیرنگر انکی انسان کو گمراہیوں اور بدکاریوں سے بچاتا رہے اور نہ صرف افراد کے لئے بلکہ ہر خاندان ہر قبیلہ، ہر جماعت، ہر قوم پر بھی اسی طرح کا ایک جن منصرف رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حیوانات، نباتات و جمادات تک میں سے کوئی ایسی ہستی نہیں جسکی ہدایت عمل کے لئے ایک ایک جن نہ مقرر ہو، ان جنات کا کام یہ ہونا ہے کہ بارگاہ الہی سے جو احکام صادر ہوں انکی تعمیل کرتے اور کرتے رہیں اور یہی مفہوم کارکنان قضا و قدر کا ہے،

اس نے انہیں زندہ و سلامت نکال لیا، لیکن اس صدمہ سے اُن کا حافظہ بالکل تشریف
لیگیا، اور انہیں اپنے متعلق ایک بات بھی یاد نہ رہی، یہاں تک کہ کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے
اپنے تین ایک جرمن اسپتال میں پایا، اور وہاں سے اُنکی یادداشت رفتہ رفتہ عود کرنے لگی،

تیسری تختی یہ اطلاع دیتی ہے کہ کام ختم ہو چکا، اب آپ اٹھ سکتے ہیں، اتنی دیر میں تصویر
بہمہ وجہ مکمل ہو کر کیمیرہ کے پیڈس میں آجاتی ہے، اور یہ ساری کارروائی چار منٹ کے
عرصہ میں ختم ہو جاتی ہے،

اسی طرح کچھ روز ہوئے، ایک معمر خاتون نہایت بیش بہا زیورات سے آراستہ اور ایک
عجیب پوشاک پہنے ہوئے شہر لندن کی سڑکوں پر ہر طرف پھرتی ہوئی ملیں، خلقت کا ایک
ہجوم اُنکے ساتھ ہو گیا، لیکن انکو نہ کسی خاص مقام پر جانا تھا، نہ راستوں کی خبر تھی، بالآخر
لوگ انہیں پولیس کی چوکی پر لے آئے، یہاں یہ دریافت ہوا کہ علاوہ دو ہزار پونڈ کے زیورات
جو ان کے بدن پر تھے، اُنکے سات ہزار پونڈ بینک آف انگلینڈ میں بھی جمع تھے، لیکن وہ
خاتون اپنی زبان سے اپنا نام و نشان کچھ نہ بتا سکیں، ہر شے اُنکے حافظہ سے محو ہو چکی تھی، ایک
مدت تک وہ اسی گمنامی و بے نشانی کی حالت میں رہیں، اسکے بعد اُنکی شخصیت متعین ہوئی۔

امریکہ کے ایک ڈاکٹر ولیم بیٹس، جو فن جراحی میں خاص شہرت رکھتے تھے، کچھ عرصہ ہوا
ایک طاح پر اپریشن کرنے کے لئے ایک جہاز پر جو بندرگاہ میں لنگر انداز تھا، گئے، لیکن اسکے بعد
غائب ہو گئے، یہاں تک کہ اُن کے اعزہ و احباب کو مہینوں تک اُنکے وجود کی خبر نہ ہو سکی، ایک
مدت کے بعد ڈاکٹر موصوف نے اپنے تین پیس میں پایا، جہاں وہ زمانہ طالب علمی میں رہ چکے
وہاں تک وہ کیونکہ بچے؟ اس درمیان میں کتنا عرصہ گزرا؟ اس اثنا میں ان پر کیا کیا
حوادث و واقعات پیش آئے؟ ان میں سے ایک شے بھی اُنکے حافظہ میں نہ تھی! اس سے بھی
بڑھ کر یہ کہ وہ اپنی تمام پچھلی زندگی، حتیٰ کہ اپنا نام بھی بھول چکے تھے! اتفاقاً ایک روز اُنکی نگاہ
ایک لفافہ پر پڑی، جس پر بیٹس لکھا ہوا تھا، یہ دیکھ کر انہیں معاً اپنا نام یاد پڑ گیا، اور اس طرح
رفتہ رفتہ ان کا حافظہ عود کر آیا،

شہر برلن (دار السلطنت جرمنی) کے مختلف محلوں میں پندرہ پندرہ فٹ کی بلندی کے
نوا، مینار واقع ہیں، جنہیں ”یورینیا ٹاورز“ کہتے ہیں، ہر مینار گھنٹہ گھر کا کام دیتا ہے، اور
گھڑی کے ساتھ ہی ہر مینار میں ایک ایک تھرمیا میٹر حرارت پیم (بارومیٹر) (ہوا پیم) اور
ہائیگرو میٹر (دھم پیم) لگا رہتا ہے، ان کے علاوہ مینار کے زیریں حصوں میں اس محلہ کا فصل نقشہ
شہر برلن کا محل نقشہ، محاور پولیس کی چوکی، اسپتال، ریلوے اسٹیشن وغیرہ کے پتے معرض
کل اسی ضروری معلومات، جو مقیم و نووارد دونوں کے کام آسکیں، درج رہتا ہیں، اور
درمیان میں جو جگہیں خالی رہ جاتی ہیں، ان میں بہ اخذ اجرت اشتہارات درج کئے جاتے ہیں،

اس سلسلہ میں ایک انگریزی اخبار نے ذہول مطلق و نسیان کامل کی دو ایک معتبر
مثالیں اور بھی درج کی ہیں، ستمبر ۱۸۷۰ء میں ایک صاحب انگلستان کے ایک ساحل پر
غسل کرنے گئے، اسکے بعد اُنکے کپڑے تو زمین پر رکھے، مگر خود اُن کا یا اُنکی لعش کا کچھ پتہ
نہ چلا، پورے دو برس کے بعد وہ پھر اپنے وطن کو واپس آئے، اور معلوم ہوا کہ اس روز نہاتے
ہوئے ایک نیز دیارے میں وہ بہ گئے تھے، مگر وہاں میل کے بعد ایک جہاز کی نظر اُن پر پڑ گئی،

وسط شہر میں ایک مرکزی اسٹیشن ہے، وہیں سے ان تمام گھریلوں کو ایک ساتھ کوک دیا جاتا ہے۔

نیگور کی تصانیف کے ترجمے تو مغرب کی ہر بادقت زبان میں عرصہ سے موجود تھے، لیکن اب اسکے ڈراموں کو یورپ میں ایکٹ بھی کیا جانے لگا ہے، چنانچہ حال میں اسکے قلم سے نکلے ہوئے متعدد تماشے لندن کے تھیٹرون میں کیے گئے، اور ان میں سے بعض میں مشاہیر امرات انگلستان بھی شریک ہوئے، نیگور موجودہ زمانہ کا سب سے پہلا مشرقی ہے جسکے کلام کو مغرب میں اس قدر حسن قبول حاصل ہوا ہے،

گھلتے کا انگریزی تعلیمی رسالہ کا لیجین لکھتا ہے کہ مسلمانوں کو فزوسرت سے بیخبر بنا چاہیے کہ ان کے اسلاف کی علمی عظمت کا اعتراف مستشرقین یورپ کرنے لگے ہیں، چنانچہ ابن خلدون (۱۳۳۲ء تا ۱۴۰۶ء) کا فلسفہ تاسیخ کا بانی ہونا اب مسلم ہو گیا ہے، اسکے مقدمہ تاسیخ کا ترجمہ فریخ زبان میں بڑی آب و تاب سے شائع ہوا ہے، اور انگریزی زبان میں پروفیسر فلنٹ نے اپنی تالیف "فریخ فلسفہ تاسیخ کی تاسیخ" میں اسکے نظام فلسفہ تاسیخ کی تلخیص کی ہے،

ایک طبی رسالہ لکھتا ہے کہ مرض النوم کی ایک خاص شکل جبین مریض پر مرزمن خواب مثل نشہ کے طاری ہو جاتا ہے، آجکل یورپ و امریکہ میں مختلف مقامات پر شائع ہو رہی ہے چنانچہ لندن ہاسپٹل میں اس وقت اسکے سات مریض زیر علاج ہیں، اور فرانس کے متعدد دھنوں میں اسکا وجود پایا جاتا ہے، اسکا مریض ہفتوں بلکہ مہینوں برابر سوتا رہتا ہے، اور کسی وقت بھی ہوشیار نہیں ہوتا، مگر نیویارک (امریکہ) میں تجربہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ موسیقی اس مرض کا

علاج ہے، بیان ایک جوان عمر عورت کو جب کا سن ۲۹ سال کا تھا، یہ مرض لاحق ہوا، اور پورے ۱۰۲ دن گزر گئے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی بیدار نہیں ہوئی، آخر میں ایک مغنی بلایا گیا، جس نے ساز کی مدد سے اسکے سر پرانے بیٹھکر گانا شروع کیا، اسکو چند ہی منٹ ہو گئے کہ مریض نے جنش سر کے ساتھ آنکھیں کھول دیں، اور آدھ گھنٹہ میں پوری طرح بیدار ہو گئی۔

ڈاکٹر لوی سمین نے رایل کالونیل انسٹیٹیوٹ کے سامنے حال میں ایک طبی لکچر دیا، اور اس میں بیان کیا کہ دفعیہ طاعون کے لئے چوہوں کی بربادی کی کوشش قطعاً بیوقوف ہے کیونکہ جب قدر زیادہ آدمین چوہے ہلاک کئے جاتے ہیں، اسقدر باقی ماندہ چوہوں کے لئے عیش و فراغت کے سامان زیادہ حاصل ہوتے جاتے ہیں، اور اسقدر انکی نسل تیزی سے بڑھتی جاتی ہے، البتہ اگر طاعون کی علت چوہوں ہی کو قرار دیا جائے تو ان کے شر سے محفوظ رہنے کی بہتر صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مکانات اس قسم کے تعمیر کئے جائیں جن میں چوہوں کا گزر ہی نہ ہو سکے، اور انہیں اپنے لئے سوراخ بنانے کے مواقع ہی نہ ملیں، سرپرک مینسن جو جلسہ کے صدر تھے، انھوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں لکچرار کی ذہانت و دقت نظر کی داد دی، لیکن ان کے آراء و نظریات کو ناقابل قبول بتایا،

سنہ میں لندن میں انٹرنیشنل کانگریس آف فلاسفی منعقد ہونے والی تھی جبین یورپ و امریکہ کے تمام مشاہیر علماء فلسفہ شریک ہوتے، اور فلسفہ کی ہر شاخ پر بکثرت عالمانہ مضامین زیر بحث آتے، اس کانگریس کا پورا پروگرام (نظام عمل) مرتب ہو چکا تھا، مضامین مقالات کے عنوانات طے پا چکے تھے، خطوط دعوت جاری ہو چکے تھے، اور یوم انعقاد کے دو برس پیشتر

انتظامات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، لیکن اگست ۱۹۷۱ء میں جو عالمگیر جنگ چھڑی اُس نے
صد ہا دیگر علی توقعات کی طرح اس آرزو کا بھی خون کر دیا اور اسکے متعلق سارے منصوبے کا لحد پر

لیکن اب یہ تجویز نسبتاً محدود پیمانہ پر پھر زندہ ہوئی ہے، اب کی کانگریس آف فلاسفی کا
افتقاد بمقام آکسفورڈ ۱۹۷۲ تا ۷۳ دسمبر ۱۹۷۲ء قرار پایا ہے اس میں مجالس ذیل کے ارکان کو
شرکت کی دعوت دی گئی ہے :-

(۱) برٹش سائیکولوجیکل سوسائٹی (لندن)

(۲) اسٹائیلیٹین سوسائٹی "

(۳) مائینڈ ایسوسی ایشن "

(۴) آکسفورڈ یونیورسٹی فلاسوفیکل سوسائٹی (آکسفورڈ)

(۵) امریکن فلاسوفیکل ایسوسی ایشن (امریکہ)

(۶) فرینچ فلاسوفیکل سوسائٹی (فرانس)

فلسفہ و متعلقات فلسفہ کا ہر مضمون، الہیات، نفسیات، اخلاقیات، اجتماعیات، درامہ
وغیرہ موضوع جلسہ میں داخل ہو سکتا ہے، صدر نشین انگلستان کے مشہور فلسفی لارڈ ہالڈین ہونگے
اور افتتاحی خطبہ یورپ کے حکیم اعظم اور فرانس کے مایہ ناز فرزند پروفیسر ہنری برگسن ارشاد
فرمائینگے، ان اصحاب کی فہرست میں جو جلسہ کی کاروائیوں میں حصہ لیں گے، اکثر شاہی علماء و فن
کے نام نظر آتے ہیں، مثلاً ہرٹزینڈرسل، ڈاکٹر مشلر، میو بومرڈ، پرنسپل جیکسن، سرفریڈرک
پولک، بیرن دان ہیوگل، ڈاکٹر لندے، پروفیسر گلبرٹ مرے وغیرہ،

ناظرین معارف کو یاد ہو گا کہ گذشتہ ستمبر میں یورپ کی متعدد مجالس مشرقیہ کا مشترک
اجلاس لندن میں منعقد ہوا تھا، جس کا ذکر اکتوبر و نومبر کے معارف میں ملیگا، اب کی سال اسی قسم کا
مشترک جلسہ مستشرقین پیرس میں اسی ماہ جولائی میں منعقد ہوا ہوگا، اجلاس کی تاریخین
۶ تا ۸ جولائی مقرر ہیں، اور دعوت نامے مجالس ذیل کے ارکان کی خدمت میں پہنچے گئے تھے،

(۱) سوسائٹی ایشیاٹک (پیرس)

(۲) رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن)

(۳) اسکولا اد رینٹیل (ٹلی)

(۴) امریکن اد رینٹیل سوسائٹی (امریکہ)

ایک انگلستانی اخبار لکھتا ہے کہ اس سال انگلستان میں تقریباً تین ہزار خواتین طبی
امتحانات کی سند لے رہی ہیں، اور توقع ہے کہ چند سال کے عرصہ میں بمقابلہ عورتوں کے
مرد ڈاکٹروں کا کام بالکل سرور پڑ جائے،

برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن، اور برٹش سائنس گلاڈ کی مشترکہ مجلس نے تجویز شائع کی ہے،
کہ طبی ایجادات و اکتشافات سے متعلق طبی حکومت کو انعام و صلہ کا معقول سلسلہ قائم کرنا چاہیو
یہ تحریک وزیر اعظم کے خدمت میں پیش ہوگی، اور اس محضر پر کمیونج کے نامور معلم طب سر
کلرڈ الیٹ، سر رونالڈ راس، پروفیسر ہالڈین وغیرہ مشاہیر فن کے دستخط ثبت ہیں، یہیں
طبی ایجادات، اختراعات و اکتشافات کی اہمیت پر زور دیکر یہ دکھایا گیا ہے کہ جب سائنس کے
دوسرے صیغوں میں کام کرنے والوں کے لئے حوصلہ افزائی و ترغیب کے کثیر ذرائع موجود ہیں

امیثیا افادات اکبر

یہ عمر کتناک و فاکر کی زمانہ کتناک جفا کر گیا

مجھے قیامت کی میں امیدیں جو کچھ کر گیا خدا کر گیا

فلک جو برباد بھی کر گیا، باندرا دے مرے رہ گیا

جو خاک ہو لگا تو خاک سے بھی سدا بگولا اٹھا کر گیا

خدا کی پاکی بچا نہ ماہون ہوا کرے ناخوشی بنون کو

مری غرض کچھ نہیں کسی سے تو پھر مرا کوئی کیا کر گیا

جہان فانی کا حشر ہی کو خیال کر مستقل نتیجہ

بیان تو پیہم ہی نرود، یہی تغیر ہوا کر گیا

اگرچہ ہے درود غم سے مضطرب ہی ہو درود زبان اکبر

یہ درود جس نے دیا ہے ہلکود ہی ہماری دوا کر گیا

تو کوئی وجہ نہیں کہ صیغہ طب جو ان سے کہیں زیادہ اہم ہے ان ذرائع سے محروم رہے
آخر میں سفارش یہ پیش کی گئی ہے کہ جن اشخاص کے کارنامے اس صنف میں ممتاز سمجھے جائیں
انہیں پانچ ہزار سے لیکر دس ہزار پونڈ سالانہ تک پنشن ملنی چاہیے،

پروفیسر ای، جی، براؤن کی "تاریخ ادبیات ایران زیر حکومت تاتاریہ" جس کا اعلان
معارف کی پہلی جلد میں ہو چکا ہے، چند ہفتے ہوئے کیمبرج یونیورسٹی پریس سے چھپ کر شائع
ہو گئی، یہ پروفیسر موصوف کی مشہور علمی تاریخ ایران کا گویا تیسرا حصہ ہے جس کا پہلا حصہ
سئم میں اور دوسرا حصہ سئم میں شائع ہو چکا ہے، اس حصہ میں ایران کی ادبی تاریخ
۱۲۳۵ء سے ۱۳۵۲ء تک بیان ہوئی ہے، چوتھی اور آخری جلد کا عنوان "تاریخ ادبیات ایران
در عصر حاضرہ" (مہتری آف پرشین لٹریچر ان ماڈرن ٹائمس) ہوگا۔

پروفیسر جے، اس، میکزی ہو اس وقت انگلستان میں فلسفہ اخلاق کے مستند عالم ہیں
اور جو اصول اخلاق پر بلند پایہ تصانیف کے مصنف ہیں، مدراس یونیورسٹی نے انہیں اپنے
ہان کا کچھ مقرر کیا ہے، اور امید ہے کہ فاضل موصوف عنقریب ہندوستان اگرچہ چند ماہ
تاک مدراس میں مقیم رہیں۔

۷۷ پروفیسر نواب علی ایم، اے، جہنیں حال میں الہ آباد جا کر کلام اکبر سے مستفید ہو رہا

موقع ملا، ارشاد فرماتے ہیں :-

الہ آباد میں اک اور بھی سکھ نظر آیا
بہم تھے علم اور حکمت کے دریا قلب اکبر میں
دلماغ روشن اکبر ہی آئینہ حقیقت کا
تجلی نور خان کی ہی میرا قلب اکبر میں

مطبوعاتِ جدیدہ

سوانحِ مدحتِ پاشا، یہ مشہور ترکی قوم پرست ابوالا حرار مدحت پاشا کی سوانحی ہے جس میں خاص طور پر ان اصلاحات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو انھوں نے سلطنتِ عثمانیہ کے مختلف نظامات میں کی تھیں، مرتبہ مرزا اسحاق بیگ، قیمت ۱۰ روپے، پبلک پریس مراد آباد گلستانہ نظم، پنجاب سنٹرل ٹریڈنگ کمپنیز لیمیٹڈ لاہور نے اس نام سے خلافت، ادبی، اور قومی نظموں کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے، جس میں بعض مشاہیر اور بعض غیر مشاہیر مثلاً مرزا غالب، حالی، اکبر، حسرت، شوق، شفق، امیر بدایونی، مولوی اسماعیل میرٹھی اور مولوی ظفر علی خان وغیرہ کی عمدہ نظمیں انتخاب کر کے جمع کی گئی ہیں، اگرچہ یہ تمام نظمیں ایک درجہ کی بہترین کتاب کی قیمت ۶ روپے، اور مذکورہ بالا پتہ سے مل سکتی ہے،

خیالستان: لاہور سے یہ ایک ماہوار علمی رسالہ جاری ہوا ہے اس میں نائب ایڈیٹر نے شکسپیر کی سوانحی لکھی ہے، اور چودہری غلام حیدر خان نے مہری کی سرگزشت کے عنوان سے ایک مضمون طبع کرایا ہے جو انکی مترجمہ کتاب ”ترکی حرم“ کا ایک حصہ ہے، یہ ترجمہ نہایت دلچسپ ہے، اخیر میں ایڈیٹر صاحب نے ایشیا کی گذشتہ عظمت پر ماڈرن ریویو سے ایک مضمون کا اقتباس کیا ہے، جو اگرچہ نہایت سطحی ہے تاہم اس سے بعض مفید معلومات بھی حاصل ہوتے ہیں، رسالہ مصور ہے، چنانچہ اس نمبر میں شکسپیر کی تصویر شامل کی گئی ہے، قیمت سالانہ للہ ۷ روپے، پتہ: دفتر خیالستان لاہور،

روزانہ خلافت، مسئلہ خلافت کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا اقتضاء

کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا چاہنا کیا چاہیے
کہہ دیا میں نے کہ ہوں اور یہ نہیں سمجھا کہ کیا
یہ تو سچ ہے جی لگا کر چاہیے پڑھنا نماز
اس خودی کا حشر کیا ہوتا ہے دیکھا چاہیے
یہ بھی سن لو جی لگا کر سانس لینا چاہیے

حب دنیا سے نہیں ہر صاحبِ عزت ہر
مدحتِ گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند
خاتما ہیں اور ہیں اور دل کا کو نہ اور ہے
خوب کہنا اور ہی اور خوب ہونا اور ہے

شکلِ اطمینان کم اس عالمِ فانی میں ہے
دولتِ دنیا کی کیا لذت ہے اہل جور کو
کامیابی بھی جہان ہر اک پریشانی میں ہے
ساری قوت صرف جب انکی نگہانی میں ہے

مذہب کی پناہ آخر کو ملی اور کفر کی زد سے بچ نکلے

ہر دم ہی اب اپنی دعا اللہ کا ہونا بیچ نکلے

مجلس نسوان میں دیکھو عزتِ تعلیم کو
پردہ اٹھا چاہتا ہے علم کی تعظیم کو

یہ تاکہ ایک خاص اخبار جاری کیا جائے جس سے جمہور اہل اسلام کو خلافت کے متعلق یکجا طور پر معلومات حاصل ہوں، اس روزنامہ نے اسی ضرورت کو پورا کیا ہے، جو اصحاب خلافت کے لئے پھر پر دسیع نظر رکھنا چاہتے ہیں ان کے لئے اسکا مطالعہ بہت مفید ہوگا قیمت ۵۰ رسالانہ،

روزنامہ رعیت، یہ اخبار خواجہ حسن نظامی کی ایڈیٹری میں دہلی سے نکلا شروع ہوا ہے، اسکا پہلا نمبر ہمارے سامنے ہے، جس میں ایک مضمون ”رعیت کا پیام محبت“ ہے جو مسٹر عبدالماجد بی، اسے کے زور قلم کا نتیجہ ہے، اس میں بتلایا گیا ہے کہ رعیت کے احوال کیا مقاصد ہیں، اور ان مقاصد کے لحاظ سے رعیت اور دوسرے اخبارات میں کیا فرق ہے؟ مضامین کی ترتیب عمدہ، اور اقتباسات دلچسپ ہیں، قیمت سالانہ ۵۰ فی پور پور، پتہ: رعیت دہلی،

روزنامہ زمانہ، اس نام کا ایک اخبار مولوی محمد اکرم خان صاحب کی ایڈیٹری میں کلکتہ سے جاری ہوا ہے جو ایک کہنہ مشوق اخبار نویس ہیں، اور ان کے زیر اہدات اخبار قومی مسائل پر نہایت پرچوش مضامین لکھتا ہے، لیکن بایں ہمہ زبان کی ناہمواری افسوسناک ہے، بعض جگہ طرز بیان اسقدر بلند اختیار کیا جاتا ہے، گویا سامنے الہلال مرحوم کا فائل کہلا ہوا ہے، اور بعض جگہ انتہائی لپٹی پیدا ہو جاتی ہے، اس ضروری اصلاح کے بعد امید ہے کہ یہ اخبار قوم دہکاک کے لئے ہر طرح مفید ثابت ہو، کلکتہ سے اردو روزانہ کی سخت ضرورت تھی، یہ اخبار اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نکلا ہے، اسکی قیمت ۵۰ فی پور پور اور نمبر ۲۹ اپریل ۱۹۲۹ء کلکتہ سے مل سکتا ہے،

مجلد ششم

ماہ ولیقعدہ ۱۳۸۰ مطابق اگست ۱۹۶۱ء

عدد دوم

مضامین

شذرات

۸۵ - ۸۲

حقیقت علم (نمبر ۵)

۱۰۵ - ۸۶

مولانا محمد یونس فرنگی علی

۱۱۲ - ۱۰۶

مولوی عبدالرزاق ندوی

۱۲۳ - ۱۱۳

مولانا عبدالسلام ندوی

۱۳۱ - ۱۲۵

سیدنا ظہیر الحسن ہوش بلگرامی

۱۴۲ - ۱۳۳

سر سہری جانشین، مولانا سید سلیمان دہلوی

۱۴۶ - ۱۳۳

پنڈت منوہر لال زلشی، الیم، اے

۱۵۶ - ۱۴۸

اخبار علمیہ

۱۵۸ - ۱۵۶

اکبر

۱۶۰ - ۱۵۹

مطبوعات جدیدہ

جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب ”جماعتنا“ کے اصول نفسیہ کا

ترجمہ، از مولانا محمد یونس فرنگی علی، قیمت ۵۰ -

”مینجر“